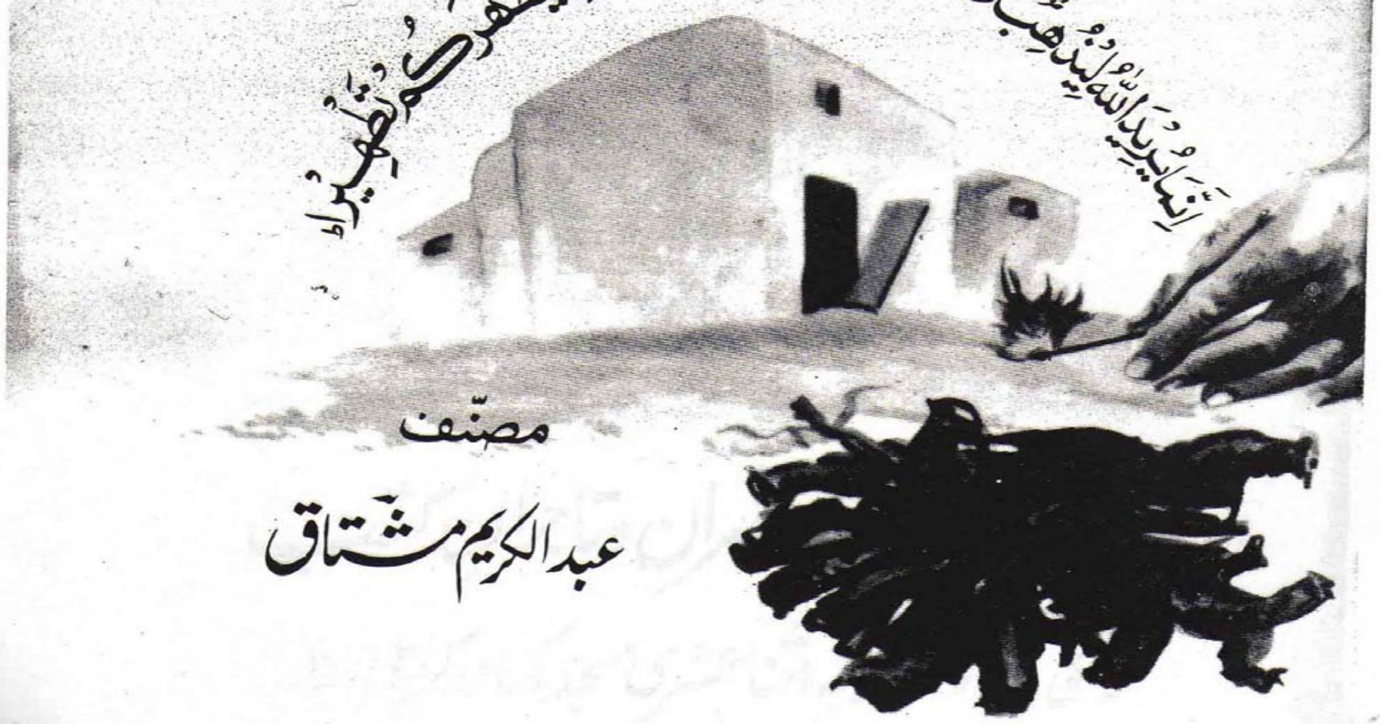
آگ خانۂ بتولؑ پر....!

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا



مصنّف

عبدالکریم مشتاق

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا

آگ خانہ بتولؑ پر!

مصنف

عبدالکریم مشتاق

رحمت اللہ بک ایجنسی ناشران وتاجرانِ کتب

بمبئی بازار نزد خوجہ اثنا عشری مسجد کھادر کراچی ۲

نام کتاب ــــــ آگ خانہ بتول پر!

مصنف ــــــ عبدالکریم مشتاق

پیش کش ــــــ اکبر ابن حسن

اشاعت ــــــ طبع دوم

مطبع ــــــ المناظر پریس

تعداد اشاعت ــــــ ۵۰۰

قیمت ــــــ صرف روپے

ناشر

رحمت اللہ بک ایجنسی

ناشران وتاجرانِ کتب

بمبئی بازار نزد خوجہ شیعہ اثنا عشری مسجد کھارادر کراچی ۲

تفصیلات

ابتدائیہ

جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فضائل اہلبیت علیہم السلام کو اپنی امت پر واضح کرنے کا پورا اہتمام فرمایا اور ملتِ اسلامیہ کو ہر طرح کی گمراہی سے محفوظ رہنے کا ایسا موزوں طریقہ تعلیم فرمایا کہ اس پر عمل کرنے کی صورت میں انسان کبھی بھی صراط مستقیم سے بھٹک نہیں سکتا۔ لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں نے دنیا کی وجاہت اور شیطان مردود کی اکساہٹ کے باعث حضورؐ کے بتائے ہوئے طریقے کی طرف توجہ نہ دی اور اکثر لوگوں نے عوام الناس کو ایسی راہوں پر ڈال دیا کہ منزل مقصود کی طرف چلنے والی راہ کی جانب توجہ مبذول کرانا ہی سمجھا جانے لگا۔ مادی شان و شوکت اور افراط زر نے قوم کو حقیقی عزت و ناموس اور روحانی متاع سے بے نیاز کر دیا جس کا نتیجہ آج مسلمانوں کی قابل رحم حالت کی صورت میں دنیا میں صاف ظاہر ہے۔

دنیا میں گمراہی کی یوں تو بہت سی صورتیں ہیں لیکن اگر ان کا تجزیہ کر کے تلخیص کی جائے تو تمام گمراہیوں کو صرف دو قسموں میں بانٹا جا سکتا ہے اول وہ حالت کہ حق سرے سے ہی انسان کی نظروں سے اوجھل ہو جائے۔ اور لوگ باطل سے اس قدر مانوس ہو جائیں کہ باطل ہی ان کو حق نظر آنے لگے اور دوم یہ کہ حق و باطل ایک دوسرے میں خلط ملط ہو کر اس طرح رل مل جائیں کہ شناخت حق ممکن نظر نہ آئے

جب تک اول الذکر صورت کا سامنا رہا خدا اپنے پیغمبر ارسال کرتا رہا ہے تاکہ لوگوں کو ہدایت نصیب ہوتی رہے لیکن رسالت محمدیہ کے بعد حق و باطل میں واضح فرق ظاہر کر دیا گیا لہٰذا سلسلۂ نبوت ختم ہو گیا۔ لیکن

فطرۃً انسانی ضمیر میں فجور کی بھی آمیزش ہے اور اس کا بھٹک جانا عین ممکن ہے اور اس طرح جو گمراہی ہو گی وہ قسم دوم میں شمار ہو گی کہ حق کا تخیل بھی قائم رہے مگر باطل بھی حق دکھائی دیتا ہو ایسی صورت میں حق کو باطل سے علیحدہ کرنے کے لئے ہادی کی ضرورت ہے جو اصطلاحاً امام کہلاتا ہے نبوت کے بعد سلسلۂ امامت شروع ہوتا ہے اور امام کا بنیادی کام یہ ہے کہ صراط مستقیم پر جو رکاوٹیں کھڑی ہیں کہ جس سے وہ راستہ مسدود نظر آنے لگا ہے۔ ان کی صفائی کر کے صحیح راستہ کی نشاندہی کرے اور منزل کو نمایاں کر کے راہ حق کو آسان اور سہل بنا دے۔ صراط مستقیم تو ایک دفعہ مکمل طور پر اور ہر لحاظ سے مادی و روحانی تمام شعبہ ہائے زیست کے نقطۂ نظر سے دکھائی جا چکی ہے اب تو محض اس کو نمایاں کرتے رہنا اماموں کا کام رہے گا۔

لیکن یہ کام بھی عملاً مشکل تھا۔ سب سے پہلے التباس حق و باطل یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ اصل امام اور جعلی امام اس طرح رل مل جاتے ہیں کہ اکثریت کو یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا کہ صحیح امام کون ہے! لوگ نقلی اماموں کی تقلید کر کے گمراہ ہو جاتے۔ اصلی امام کی شناخت اور اس کی پیروی ضروری ہے۔ کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو امام کی معرفت کے بغیر مرا وہ جہالت کی موت مرا۔ فرمان رسولؐ سے ثابت ہوا کہ معرفت امام بذات خود ایک مشکل کام ہے۔ کیونکہ اگر ہر مسجد میں نماز پڑھوا دینے والا یا تخت پر بیٹھ جانے والا امام حقیقی ہوتا تو پھر ایسی حدیث کی قطعاً ضرورت نہ ہوتی۔ ہر بادشاہ کی معرفت اس کی تلوار کروا دیتی اور نماز کی امامت امام کا تعارف کرا دیتی مگر قابل غور امر ہے کہ جس چیز کی اہمیت ایسی تھی کہ اس کے نہ ہونے کی وجہ سے کفر لازم آتا تھا تو اس کا نہ بتانا اور امام کی شناخت

نہ کرنا شانِ نبوت اور کارِ رسالت سے بعید تھا۔ لہٰذا حضورؐ نے واضح طور پر امت کو قرآن و اہل بیتؑ کے حوالے کر کے بتا دیا کہ اصل امام میری عترت میرے اہل بیت ہیں۔

اہل بیتؑ طہارت کا تعارف حدیث کساء میں کروایا گیا ہے اور روحِ اہل بیت حضرت سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ہیں۔ حدیث کساء کی صحت کے اثبات مندرجہ ذیل کتب اہل سنت میں ملاحظہ فرمائے جاسکتے ہیں۔

۱۔ صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ الجزالسابع ص ۱۳
۲۔ منہاج السنہ ابن تیمیہ الجزالثالث ص ۴
۳۔ مسند احمد حنبل جزالاول ص ۳۳۱ جز ثالث ص ۳۸۵، ص ۱۵۱ جز رابع ص ۵ جزالسادس ص ۲۹۲، ص ۲۹۶، ص ۲۹۸، ص ۳۰۴، ص ۱۹۹، ص ۱۹۸
۴۔ تفسیر در منثور علامہ جلال الدین سیوطی الجزالخامس ص ۱۹۹، ص ۱۹۸
۵۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب علامہ ابن عبدالبر الجزالثانی وغیرہ

چونکہ حدیث موصوفہ کی تلاوت کے اشارات و فوائد مسلمہ ہیں۔ لہٰذا جی چاہتا ہے کہ اس مقدس حدیث کو ہی ابتدائیہ قرار دادوں اور استفادہ عام کے لئے اس کا ترجمہ نقل کر کے دعوت عام دوں کہ اس پاک حدیث کو یقین و اطمینان کی شرط کے ساتھ ہر مشکل کا حل اعتقاد کریں انشاء اللہ ہر رنج خوشی سے بدل جائے گا۔

حضرت فاطمہ علیہا السلام سے مروی ہے۔ آپ ارشاد فرماتی ہیں کہ ایک روز میرے والد رسولؐ اللہ میرے گھر تشریف لائے اور ارشاد کیا کہ اے فاطمہ میں اپنے جسم میں کمزوری محسوس کرتا ہوں۔ میں نے عرض کی اے اباجان میں خدا کی پناہ طلب کرتی

ہوں۔ آپ کی لاغری جسم سے آپؐ نے فرمایا۔ اے فاطمہؑ چادر یمانی لاکر مجھے اوڑھادو۔ سیدہ فاطمہؑ فرماتی ہیں کہ میں نے چادر تو آپؐ کو اڑھادی اور آپؐ کے چہرہ مبارک کی جانب دیکھتی رہی کہ یک لخت آپؐ کا رخ اقدس پورے چاند کی مانند منور ہو گیا۔ سیدہؑ کا ارشاد ہے کہ تھوڑی دیر گذری تھی کہ میرا فرزند حسن آیا اور مجھ سے کہا اے امی جان آپؐ پر سلام ہو میں نے جواباً کہا کہ اے میری آنکھ کے نور اور میرے دل کے میوے تم پر بھی سلام ہو۔ تب (امام) حسنؑ نے کہا کہ اے مادر معظمہ! مجھے آپؐ کے پاس سے بہت عمدہ خوشبو آرہی ہے۔ جس طرح کہ میرے نانا رسولؐ خدا کی خوشبو ہوتی ہے۔ میں نے جواب دیا کہ تمہارے نانا محترم چادر کے نیچے ہیں۔ وہ (حسن) چادر کی طرف گئے اور کہا کہ اے میرے نانا جان۔ اللہ کے رسولؐ آپ پر سلام ہو۔ مجھے اجازت ہے کہ میں آپؐ کے ساتھ سایہ چادر میں آجاؤں؟ رسول خدا نے فرمایا کہ میں نے اجازت دے دی اور حسن اس چادر میں داخل ہو گئے۔ ذرا سی دیر بعد حسین آگئے اور کہا اے والدہ محترمہ آپؐ پر سلام ہو۔ میں نے جواب دیا کہ اے میرے نور نظر تم بھی سلام ہو حسینؑ نے کہا۔ امی حضور میں آپ کے پاس سے بہت بھینی خوشبو سونگھ رہا ہوں جیسی کہ اپنے نانا جان رسول خدا سے پاتا ہوں۔ میں نے کہا ہاں تمہارے نانا اور تمہارے برادر اس چادر کے نیچے ہیں۔ حسین بھی چادر کی طرف گئے اور عرض کیا اے جد بزرگوار اے رسولؐ خدا کہ جن کو اللہ نے رسالت پر مبعوث فرمایا اور منتخب کیا ہے۔ آپ پر سلام ہو۔ کیا مجھے چادر میں آنے کی اجازت

ہے ؟ آنحضرت نے فرمایا کہ میں تم کو اجازت دیتا ہوں پس حسین بھی
چادر میں اپنے نانا کے ساتھ داخل ہو گئے اتنے میں حسنؑ کے ابا ـــ
علی ابن ابی طالب تشریف لائے اور فرمایا
اے رسول خدا کی دختر نیک اختر آپ پر سلام ہو۔ میں نے
جواباً کہا۔ آپ پر بھی سلام ہو۔ ابوالحسن نے فرمایا۔ میں تمہارے پاس
سے عجیب بوئے خوشگوار ایسی پاتا ہوں کہ جو اپنے بھائی اور ابن عم رسول
خدا کی پاتا ہوں۔ میں نے کہا ہاں وہ آپ کے دونوں فرزندوں کے
ساتھ اس چادر میں ہیں۔ پس علی بھی چادر کی طرف گئے اور بارگاہ رسالت
میں سلام پیش کیا اور چادر میں داخل ہونے کی اجازت طلب فرمائی ـــ
حضورؐ نے اجازت دی۔ پس علی بھی ان سب کے ساتھ چادر میں داخل
ہوئے۔ پھر فاطمہ چادر کی طرف بڑھیں اور عرض کیا اے والد بزرگوار
آپ پر سلام ہو۔ اے اللہ کے رسول آپ پر سلام ہو کیا مجھے اجازت
ہے کہ آپ سب کے ساتھ چادر میں داخل ہو جاؤں ؟ حضور نے فرمایا۔
ہاں اجازت ہے تمہیں اے فاطمہؑ۔ پس سیدہ بھی اس میں داخل
ہو گئیں۔ جب سارے چادر میں جمع ہوئے تو اللہ تعالیٰ عزت وجلال
والے نے فرمایا۔ اے میرے فرشتو! اور آسمانوں میں رہنے والو!
میں نے نہیں پیدا کئے بلند آسمان اور کشادہ زمین اور روشن
چاند اور چمکتا سورج اور نہ گردش کرنے والا آسمان اور نہ سمندر موج
زنان اور نہ رواں کشتی لیکن ان پانچ ہستیوں کی محبت میں جو کہ
چادر کے نیچے ہیں۔
جبرائیل نے عرض کیا اے پروردگار اس چادر میں کون ہیں؟

اللہ نے جواب دیا کہ وہ اہل بیت نبوت اور رسالت کی کان ہیں۔
وہ فاطمہ اس کے باپؐ، اس کے شوہر اور اس کے فرزند ہیں ـ امین
جبرائیل نے عرض کیا۔ یارب کیا تو اجازت دیتا ہے کہ میں زمین پر
جاؤں اور ان میں کا چھٹا ہو جاؤں ـ اللہ صاحب عزت وجلالت
نے فرمایا۔ میں نے تجھ کو اجازت دی۔ پس جبرائیل امین نازل
ہوئے اور عرض کیا۔ السلام علیک یا رسول اللہ، اللہ جو علیؑ و اعلےٰ ہے
آپ کو سلام کہتا ہے اور تحفہ تحیت واکرام بھیجا ہے اور کہتا ہے کہ
مجھے قسم ہے اپنی عزت وجلالت کی کہ میں نے اونچے افلاک، فراخ
کھلی زمین، ماہ درخشاں، خورشید تاباں اور گردش کرنے والے
آسمان بے کراں دریا اور رواں کشتی نہیں خلق کئے مگر تمہارے
واسطے اور تمہاری محبت کے لئے اور مجھے اجازت بخشی ہے کہ میں آپؐ
کے ساتھ اس چادر میں داخل ہو جاؤں۔ تو آپ بھی مجھے اجازت
دیتے ہیں۔ سرکار دو عالم نے فرمایا میں نے تمہیں اجازت دی۔
پس حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی ان کے ساتھ چادر میں
داخل ہو گئے اور عرض کیا کہ خداوند عزوجل نے آپ کی جانب
وحی کی ہے کہ بس اللہ کا ارادہ تو یہی ہے کہ اے اہل بیت تم کو
ہر رجس سے پاک رکھے۔ ایسے جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے
تب علی ابن ابی طالب نے دریافت کیا کہ اے رسول خدا مجھے
مطلع فرمائیں کہ کیا ہمارا اس چادر کے تلے جمع ہونا اللہ کے نزدیک
فضیلت رکھتا ہے۔ حضورؐ نے جواباً ارشاد کیا کہ قسم ہے اس
ذات کی جس نے مجھے رسالت پر مبعوث فرمایا اور اپنی رسالت

کے لئے میرا انتخاب کیا۔ ہماری یہ خبر اہل زمین کی محفلوں میں
سے کسی محفل میں ہمارے شیعہ اور محبت رکھنے والے ہوں
گے۔ نہیں بیان کی جائے گی لیکن یہ کہ ان پر رحمت نازل ہو گی
اور ملائکہ ان کے منتشر ہونے تک ان کے لئے مغفرت طلب کرتے
رہیں گے۔ حضرت علیؑ نے کہا کہ رب العالمین کی قسم ہم اور ہمارے شیعہ
کامیاب ہوئے۔ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا قسم ہے اس ذات
کی جس نے مجھے حق کے ساتھ نبی مقرر کیا اور اپنی رسالت کے لئے مجھے
منتخب کیا۔ ہماری یہ خبر اہل زمین کی مجالس میں سے کسی مجلس میں جن میں
ہمارے شیعہ ہوں گے نہ بیان کی جائے گی لیکن یہ کہ جو کوئی ان میں رنجیدہ
فکرمند ہو گا۔ اللہ اس کا رنج دور کرے گا اور حاجت مند کی حاجت
پوری کرے گا۔ تب حضرت امیرؑ نے فرمایا کہ خدائے لایزال کی قسم
ہم اور ہمارے شیعہ فائز ہو گئے ہیں اور ہم کو اسی طرح ہمارے
دوستوں کی سعادت حاصل ہوئی۔ دنیا اور آخرت میں"۔

ہم اکثر یہ بات دہراتے رہتے ہیں کہ اسلام میں تفریق اور
مسلمانوں کی پستی و زوال کی اکلوتی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے حدیث
کساء کو باوجود اس اہتمام کے نہ سمجھا اور اپنے پیروں پر اپنی ہی کلہاڑی
مارتے رہے۔ حدیث موصوفہ سے یہ بات مکمل ثابت ہو جاتی ہے کہ خدا
کے نزدیک پنجتن پاک سے بڑھ کر کسی اور کا رتبہ اور فضیلت نہیں
ہے۔ یہ بزرگ معصوم و طاہر ہیں اور یہی ہستیاں مقصود کائنات
اور باعث ایجاد مخلوقات ہیں۔

اہل بیت سے اعراض ہی ملت کی تباہی کا سبب ہے اور اس

لاپرواہی کے باعث لوگ ان پاک ہستیوں کی منزلت و فضیلت سے
واقف نہ ہو سکے محبت دنیا اور نشہ اقتدار و ہوس مادیت نے لوگوں کو ان
مقدس ہادیوں کا دشمن بنا دیا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ بند
ہوتے ہی زمانے کی نگاہیں پھر گئیں اور مرکز حدیث کساء پر امت نے مظالم
کے ایسے پہاڑ گرائے کہ سیدۂ مظلومہ کو نوحہ کرنا پڑا اور آپؑ نے فرمایا۔

"میرے اوپر ایسے مصائب پڑے ہیں کہ اگر روشن دنوں پڑتے
تو وہ تاریک راتیں بن جاتے۔

وہ بی بی جو غایت کائنات ہو اور جس کے متعلق ہدایت پیغمبرؐ یہ ہو کہ
تحقیق اللہ غضبناک ہوتا ہے۔ غضب فاطمہؑ سے اور راضی ہوتا ہے
فاطمہ کی رضامندی سے۔ (کنز الدقائق)

بعد از وفات رسولؐ امت کے ظلم و ستم کا نشانہ بن گئیں۔ وہ
گھر جہاں جبرائیل بھی بلا اذن نہ آئے اور جہاں خداوند عظیم نے تحفہ تحیت
اکرام اسی گھر کے لئے سامان آتش جمع کیا گیا اور احراق خانہ کی دھمکیاں
دی گئیں۔ یہ واقعہ امت کے لئے کلنک کا ٹیکہ ہے آیئے اس واقعہ کی
تاریخی تحقیقات کریں اور صحت ثابت ہونے پر ملوث افراد کی بابت عادلانہ
رائے قائم کریں۔ شکریہ۔

گدائے در بتولؑ
عبدالکریم مشتاق

مناقب فاطمہ زہرا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ الحمد للہ رب العالمین ۔ پاک ہے وہ ذات خداوندی جس نے بلند آسمان کشادہ زمین، مہر تاباں، ماہ درخشاں اور بحر بیکراں اہل بیتؑ نبوت معدن رسالت فاطمہؑ ان کے والد گرامی قدر محمدؐ ان کے شوہر نامدار علیؑ اور ان کے فرزندان ارجمند کے لئے خلق فرمائے اور وحی کی کہ اللہ کا ارادہ تو بس یہی ہے کہ ان اہلبیتؑ رسولؐ کو ہر طرح کی نجاست ظاہری و باطنی سے اس طرح سے پاک رکھے جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے۔ سلام ہو ان حضرات علیہا پر اور رحمت نازل ہوتی رہے ان لوگوں پر جو ارض خداوندی کی محافل ہیں۔ ان کا ذکر خیر جاری رکھتے ہیں اور دنیا و آخرت کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

اے دعاؤں کے سننے والے رب ہمیں ان لوگوں کی راہ پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا کر جن پر تیری رحمت کا انعام ہوا اور جو کامیاب ہوئے بارالہا ہمیں ان لوگوں کے راستے پر چلنے سے محفوظ رکھ جنہوں نے تیری غضبنا کی خریدی اور جو گمراہ ہوگئے (آمین)

گذارش یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کی سب سے بڑی کتاب حدیث جسے قرآن مجید کے بعد پہلا درجہ حاصل ہے۔ صحیح بخاری ہے۔ بخاری شریف جلد دوم کتاب انبیاء میں باب نمبر ۱۴/۱۳ کا عنوان ہے کہ۔

"مناقب فاطمہ علیہا السلام و قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم فاطمۃ سیدۃ النساء اہل الجنۃ" یعنی حضرت فاطمہ علیہا السلام کے فضائل کا بیان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ فاطمہؑ جنت کی عورتوں کی سردار

ہیں۔"

نوٹ :- باوجودیکہ متن بخاری شریف میں سیدہؑ طاہرہ کے اسم مبارک کے بعد سلام مرقوم ہے لیکن پھر بھی مترجم عموماً "علیہ السلام" لکھنا پسند نہیں کرتے بلکہ حسب عادت رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں۔ اللہ جانے بھائی لوگوں کو سلام کیوں پسند نہیں ہے۔ جبکہ اصل عبارت میں واضح طور پر "علیہا السلام" موجود ہے۔

باب مذکورہ کے تحت حدیث نمبر ۹۵۳ نقل ہوئی ہے کہ۔

"ابوالولید، ابن عیینہ، عمرو بن دینار، ابن ابی ملیکہ حضرت مسور ابن مخرمہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہؑ میرے گوشت کا ٹکڑا ہے جس نے فاطمہ کو غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا۔"

(صحیح بخاری جلد دوم پارہ نمبر ۱۴ کتاب الانبیاء ص ۱۱۲ مطبوعہ قرآن محل کراچی۔)

اس حدیث مبارک سے صاف ظاہر ہے کہ سیدۃ النساء اہل الجنۃ حضرت فاطمۃ الزہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کی غضبناکی اور ناراضگی بقول پیغمبرؐ غضب و ناراضگی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور یہ بات مسلمہ ہے کہ حضورؐ کی ناراضگی دراصل اللہ کی ناراضگی ہے۔ جس سے اللہ ناراض ہو وہ مغضوب علیہم میں شامل ہوگا جبکہ سورہ فاتحہ کے مطابق ان لوگوں کی راہ سے بچنا لازمی ہے جن پر اللہ کا غضب ہوا اور جو گمراہ ہو گئے۔

غضب سیدۃ نساءؑ

چونکہ زیر بحث مضمون تکلیف دہ ہے اور بعض طبائع نازک اس کی تفصیلات

برداشت نہیں کر سکتی ہیں۔ اس لئے ہم اپنی ذاتی معروضات پیش کرنے کا حق محفوظ رکھتے ہیں اور صرف اہل سنۃ والجماعۃ مورخین کی وہ عبارتیں نقل کر دینے پر اکتفا کرتے ہیں جو اس موضوع سے متعلقہ ہیں چنانچہ سب سے پہلے ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ کی مشہور کتاب الامامت والسیاست سے لکھتے ہیں۔

"حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ کچھ لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے گھر میں موجود ہیں جو ان کی بیعت سے انکاری ہیں تو حضرت عمرؓ کو ان کی طرف روانہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے آکر ان کو پکارا جو کہ حضرت علیؑ کے گھر میں تھے انہوں نے باہر آنے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے لکڑیاں منگوائیں اور کہا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ قدرت میں عمر کی جان ہے۔ تم لوگ باہر نکل آؤ ورنہ میں اس گھر کو آگ لگا دوں گا (اور وہ لوگ جو اس گھر میں ہیں سب جل جائیں گے) لوگوں نے حضرت عمرؓ سے کہا اے ابا حفص اس گھر میں تو فاطمہ (بنت رسول) ہیں۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ ہوا کریں۔ (مجھے ان کی پرواہ نہیں ہے) اس پر وہ لوگ حضرت علیؑ کے سوا باہر آئے اور بیعت کر لی۔ حضرت علیؑ نے کہا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن کو جمع نہ کر لوں گا گھر سے باہر نہ آؤں گا اور نہ اپنے کندھے پر ردا رکھوں گا۔ جناب فاطمہؑ اپنے گھر کے دروازے پر تشریف لائیں اور فرمایا۔ میرا اس قوم سے کوئی سروکار نہیں ہے جو اتنی بدی کر رہی ہے کہ تم رسول خدا کے جنازے کو ہمارے درمیان میں چھوڑ کر چلے گئے۔ اور اس امر (حکومت) کا خود ہی فیصلہ کر لیا اور ہم کو پوچھنا بھی گوارا نہ کیا۔ اور ہمارے حق کو ہم سے چھین لیا۔ پھر حضرت عمر واپس آئے اور حضرت ابوبکر سے جا کر کہا کہ تم اس متخلف

بیعت کو نہ چھوڑو۔ حضرت ابوبکر نے اپنے غلام قنفذ کو بھیجا کہ علی کو بلا لائے۔ جب وہ (قنفذ) حضرت علیؑ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا۔ کیوں آئے ہو اس نے کہا کہ آپ کو رسول اللہ کے خلیفہ بلاتے ہیں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ تم نے جلد رسولؐ خدا پر جھوٹ باندھ لیا ہے۔ قنفذ نے حضرت ابوبکر کو اس بات سے آگاہ کیا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر کافی دیر تک روتے رہے۔ جب حضرت ابوبکر کے غلام بھیجنے کے باوجود حضرت علیؑ نہ آئے)

تب حضرت عمر کھڑے ہوئے اور جماعت کو لے کر حضرت فاطمہؑ کے دروازے پر آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب فاطمہؑ نے ان کی آواز سنی تو بلند آواز سے فرمایا۔

"اے پدر بزرگوار! اے اللہ کے رسولؐ آپ کے بعد خطاب کے بیٹے (عمر بن خطاب اور ابی قحافہ کے پسر (ابوبکر) سے کیا کیا مصیبتیں دیکھنا نصیب ہوئیں۔"

جب لوگوں نے بی بی فاطمہ کی آواز سنی اور یہ گریہ وزاری دیکھی تو وہ روتے ہوئے واپس ہو گئے۔ قریب تھا کہ کے دل پھٹ جائیں اور ان کے جگر چیریدہ ہو جائیں۔ صرف حضرت عمر ایک قوم کے ساتھ (قلیل جماعت) باقی کھڑے رہ گئے اور حضرت علیؑ کو (زبردستی فاطمہ کے گھر سے) نکال کر حضرت ابوبکر کے پاس لے گئے اور کہا کہ ابوبکر کی بیعت کرو۔ حضرت علیؑ نے فرمایا۔ "اگر میں بیعت نہ کروں تو کیا کرو گے" (عمر نے کہا) اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ تمہاری گردن اڑا

دیں گے"۔ (حضرت علیؑ نے کہا) "تم اللہ کے بندے اور اس کے رسولؐ کے بھائی
کو قتل کرتے ہو!" جواب دیا۔ کہ ہم تمہیں عبدِ خدا تو مانتے ہیں لیکن رسولؐ
خدا کا بھائی تسلیم نہیں کرتے! حضرت ابوبکر ساکت رہے حضرت عمر نے
حضرت ابوبکر سے کہا کہ آپ اس سے بیعت کیوں نہیں لیتے؟ حضرت ابوبکر
نے جواب دیا کہ جب تک فاطمہؑ زندہ ہیں۔ میں علیؑ کو مجبور نہیں کرتا۔
حضرت علیؑ رسولِ خداؐ کی قبر سے لپٹ کر دھاڑیں مار کر روئے اور بلند آواز سے
فرماتے کہ اے میرے ماں جائے ایک قوم نے مجھ کو کمزور کر دیا ہے قریب ہے
کہ مجھے قتل کر دیں۔ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا۔ میرے ساتھ
فاطمہؑ کے پاس چلیے ہم نے انہیں (فاطمہؑ کو) غضبناک
کیا ہے۔ دونوں حضرات ابوبکر و عمر نے سیدہؑ کی
خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی انہوں
نے اس سلسلہ میں حضرت علیؑ سے رجوع کیا۔ حضرت علیؑ
دونوں کو سیدہ کے پاس لائے دونوں بیٹھ گئے۔

سیدہ طاہرہ نے اپنا چہرہ اقدس دیوار کی طرف موڑ لیا۔
دونوں نے بی بی پاکؑ کو سلام کیا۔ معصومہ نے جواب
نہ دیا۔ حضرت ابوبکر نے کہا اے رسول اللہ کی پیاری
خدا کی قسم مجھے اپنی قرابت سے رسول اللہ کی قرابت زیادہ
محبوب ہے۔ آپ مجھے اپنی بیٹی سے زیادہ عزیز ہیں۔ مجھے یہ
بات پسند تھی کہ جس روز آپ کے والدؐ کا انتقال ہوا تھا۔
میری موت تب واقع ہو جاتی اور آپؐ کے بعد زندہ نہ رہتا

اور محبوب ہے۔ آپؐ کو آپؐ کی فضیلت کو اور آپؐ کی شرافت
کو جانتا ہوں میں نے آپؐ کا حق اور میراث اس لئے نہیں
دیا۔ کہ میں نے رسول خدا کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہم (نبی)
کسی کو وارث نہیں بناتے جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ
صدقہ ہوتا ہے۔

سیدہ نے فرمایا میں تم دونوں (حضرات ابوبکر و عمر کو)
رسول اللہ کی حدیث یاد دلاتی ہوں جس کو تم (بخوبی) جانتے
ہو۔ کیا تم اس پر عمل کرو گے؟ دونوں نے عرض کیا کیوں نہیں
ارشاد فرمائیں۔ سیدہ نے فرمایا میں تمہیں خدا کی قسم
دیکر پوچھتی ہوں کہ تم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ
وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا ہے کہ۔

فاطمہؑ کی رضامندی میری رضامندی ہے۔ اس کا ناراض
ہونا میرا ناراض ہونا ہے جس نے فاطمہؑ کو دوست رکھا اس نے مجھے
دوست رکھا۔ جس نے فاطمہؑ کو راضی کیا اس نے مجھے راضی کیا جس
نے فاطمہؑ کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

انہوں نے (حضرات ابوبکر و عمر نے) اقرار کیا کہ ہاں ہم نے

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے. تو سیّدہ (صدیقہ ومظلومہ) نے فرمایا. کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کو گواہ کرکے کہتی ہوں کہ تم (ابوبکر وعمر) نے مجھے ناراض کیا ہے تم نے مجھے راضی نہیں کیا جب میں نبی اکرمؐ سے ملوں گی. تو ان سے تمہاری شکایت کروں گی۔

حضرت ابوبکر نے کہا اے فاطمہؑ میں اللہ کی ناراضگی اور آپؑ کی ناراضگی سے پناہ مانگتا ہوں۔ پھر حضرت ابوبکر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے. قریب تھا ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر جاتی اور سیّدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا فرماتی جاتی تھیں کہ۔

میں ہر نماز میں تمہارے لیے بددعا کروں گی۔

ابوبکر روتے ہوئے چلے گئے اور لوگ ان کے گرد جمع ہوئے. وہ لوگوں سے کہتے تھے کہ تم میں کا ہر شخص اپنی بیوی کے گلے میں باہیں ڈال کر آرام (سے) رات کاٹتا ہے. اور مجھے ایک مصیبت میں ڈال دیا ہے. مجھے تمہاری بیعت کی ضرورت نہیں ہے. میری بیعت توڑ دو. لوگوں نے کہا اے رسول خدا کے خلیفہ. خلافت آپ کے بغیر نہیں چل سکتی ہے."

(الامامت والسیاست حصہ اوّل صـ۱۳ تا صـ۱۴)

مسلم بن قتیبہ کی توثیق

حضرات اہل سنۃ والجماعۃ کا یہ بڑی پرانی عادت ہے کہ اکثر وہ اُن علماء اور کتابوں کا انکار کرتے رہتے ہیں. جن میں کوئی امر اُن کے مروجہ مسلک کے خلاف موجود ہو لہٰذا اس خدشہ کے باعث یہ ضروری سمجھا ہے کہ کتاب الامامت والسیاست کے مصنف کی توثیق واقتدار بھی پیش کر دیا جائے تاکہ گنجائش اعتراض باقی نہ رہے.

ابو محمدؒ عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری صاحب کتاب الامامۃ والسیاسۃ ولادت ۲۱۳ھ یعنی ۸۲۸ء اور وفات ۲۷۶ھ یعنی ۸۸۹ء شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی تحریر کرتے ہیں۔

عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ المتولد ۲۱۳ھ المتوفی ۲۷۶ھ. یہ نہایت نامور اور مستند مصنف ہے. محدثین بھی اس کے اعتماد اور اعتبار کے قائل ہیں۔

(الفاروق حصہ اوّل دیباچہ صـ۶)

تاریخ ابوالفدا میں ذکرِ احراق

سُنی المذہب مورخ ابوالفدا نے اپنی تاریخ میں احراق بیت فاطمہؑ کا ذکر بڑی احتیاط اور بڑے غنیمت الفاظ میں کیا ہے بہر حال اس واقعہ کا انعقاد اس نے بھی تسلیم کیا ہے. اقتباس درج ذیل ہے.

"پھر حضرت ابوبکر نے حضرت عمر بن خطاب کو حضرت علیؑ کے پاس اس ارادہ کے ساتھ بھیجا کہ جو لوگ ان کے ہمراہ اہل بیت ہیں مع ان کے حضرت علیؑ کو حضرت فاطمہؑ کے گھر سے نکال دو. اور یہ کہہ دیا تھا کہ اگر

ان کو نکالنے سے کچھ انکار ہو تو بے شک تم ان سے لڑنا۔ حضرت عمر تھوڑی سی آگ بھی ہاتھ میں لے کر بارادہ گھر کے پھونکنے کے گئے۔ اسی اثنا میں حضرت فاطمہؑ راستہ میں ان کو ملیں انہوں نے پوچھا کہ کہاں جاتے ہو؟ اے ابن خطاب کیا ہمارا گھر جلانے کے لئے آیا ہے؟ حضرت عمر نے کہا البتہ تمہارا گھر پھونک ڈالوں گا۔ نہیں تو تم بھی ابوبکر سے بیعت کرو۔ جس بیعت میں تمام امت داخل ہوئی تم بھی داخل ہو جاؤ۔

(تاریخ ابوالفداء علامہ و امام اہل سنتہ اسمعیل بن علی والی حمات (شام) ترجمہ مولوی کریم الدین حنفی انسپکٹر مدارس ص۱۷۸ تا ص۱۷۹)

ابوالفداء کا اقتدار

صاحب تاریخ ابوالفداء ملک المؤید عماد الدین اسمعیل ابوالفداء المتوفی ۷۳۲ھ کے متعلق مشہور سنی علامہ یافعی تحریر کرتے ہیں کہ۔

"۷۳۲ھ میں سلطان حماۃ ملک المؤید عماد الدین اسمعیل بن افضل علی ایوبی کا انتقال ہوا ایک تاریخ کی کتاب اور تقویم البلدان لکھی ہیں۔ یہ بہت ہی فضیلت والے شخص تھے اور فلسفہ سے بھی واقف تھے"

(مرآۃ الجنان الجز الرابع صفحہ ۲۸۲)

مشہور مولوی اہلحدیث نواب صدیق حسن حجج الکرامہ میں لکھتے ہیں کہ

"تاریخ ملک المؤید ابوالفداء اسمعیل موسوم بہ کتاب المختصر فی اخبار البشر در مختصرات فن خیلے سنجیدہ و معتبر است"

عقد الفرید کی عبارت

علامہ اہل سنتہ شہاب الدین ابن عبد ربہ اندلسی اپنی کتاب عقد الفرید ص۱۷۹ پر لکھتے ہیں:

"جن لوگوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت سے خلاف ورزی کی وہ علیؑ اور عباسؓ اور زبیر اور سعد بن عبادہ تھے جن میں حضرت علیؑ اور عباسؓ بیت سیدہ فاطمہ میں بیٹھ رہے حتیٰ کہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو بھیجا کہ جو لوگ خانۂ فاطمہ زہرا میں ہیں۔ ان کو نکال دیں اور اگر وہ لوگ گھر سے نہ نکلیں تو ان سے قتال کریں۔ چنانچہ حضرت عمر آگ لے کر اس مقصد سے وہاں پہنچے کہ آگ لگا دیں۔ جناب فاطمہ نے کہا کہ اے پسر خطاب کیا تو میرا گھر جلانے آیا ہے۔ حضرت عمر نے جواب دیا ہاں اسی ارادے سے آیا ہوں ورنہ تم لوگ ابوبکر کی بیعت کرنے والوں میں داخل ہو جاؤ۔"

شان ابن عبد ربہ

ابوالفداء واقعات ۳۲۸ھ کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ۔

"۳۲۸ھ میں وفات پائی ابو عمر احمد بن عبد ربہ بن حبیب القرطبی نے جنکا جد اعلیٰ حبیب القرطبی عبد الرحمان اموی فاتح سپین کا غلام تھا۔ یہ ابن عبد ربہ بہت عظیم الشان علماء میں سے تھے انہوں نے کتاب العقد الفرید

تصنیف کی ہے جو نہایت ہی عمدہ کتاب ہے۔ ان کی ولادت ۲۴۶ھ کی ہے۔

علامہ ابن خلکان اپنی کتاب وفیات الاعیان میں تحریر کرتے ہیں کہ۔

" ابو عمر احمد بن محمد ابن عبد ربہ کان من العلماء المکثرین من المحفوظات والاطلاع علی اخبار الناس وصنف کتابہ العقد وھو من الکتب الممتعۃ حوی من کل شئی۔"

طبری کا بیان

مشہور مؤرخ و مفسر امام اہل سنت ابن جریر طبری اس واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں۔

"حضرت عمر نے اس جگہ پہنچ کر کہ جہاں طلحہ و زبیر اور بعض دیگر مہاجرین تھے (یعنی خانہ سیدہ) پکارا کہ خدا کی قسم تمہارے گھر کو آگ لگا دوں گا، ورنہ تم لوگ بیعت کے لئے باہر نکلو۔"

(تاریخ ابن جریر طبری المسمّیٰ بہ تاریخ الرسل والملوک جزء ۳ صد ۱۹۸)

امام اہل سنت طبری کا مرتبہ

مشہور وکیل حضرت عمر جناب شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ۔

"ابو جعفر محمد بن جریر الطبری یہ فقہ اور حدیث کے بھی امام مانے جاتے ہیں، چنانچہ آئمہ اربعہ کے ساتھ لوگوں نے ان کو مجتہدین کے زمرے میں شمار کیا ہے تاریخ میں انہوں نے ایک نہایت مفصل اور بسیط کتاب لکھی ہے جو تیرہ ضخیم جلدوں میں ہے اور یورپ میں نہایت صحت و اہتمام

کے ساتھ چھپی ہے۔"

(الفاروق حصہ اول ص۸)

تاریخ طبری کا پایہ

مولوی شبلی اعتراف کرتے ہیں کہ:۔

تاریخی سلسلہ میں سب سے جامع اور مفصل کتاب امام طبری کی تاریخ کبیر ہے۔ طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ تمام محدثین ان کے فضل و کمال ثقاہت اور وسعت علم کے معترف ہیں۔ ان کی تفسیر احسن التفاسیر خیال کی جاتی ہے محدث ابن خزیمہ کا قول ہے کہ دنیا میں کسی کو ان سے بڑھ کر عالم نہیں جانتا تمام مستند اور مفصل تاریخیں مثلاً تاریخ کامل ابن الاثیر، ابن خلدون، ابوالفداء وغیرہ انہی کی کتاب سے ماخوذ اور اسی کتاب کے مختصرات ہیں۔

(سیرۃ النبیؐ تقطیع کلاں جلد اول حصہ اول صد ۱۹)

وکیل صفائی کا مؤکل کے جرم کا اعتراف

ہم نے واقعہ احراق خانہ بتولؑ کی تصدیق کے لئے چار معتبر و مؤثق شواہد نقل کیئے اب پانچویں شہادت علامہ شبلی کے پیش خدمت ہے۔ جو ساری عمر حضرت عمر کی وکالت میں بسر کرکے اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے مولوی شبلی نعمانی اپنے مؤکل کی صفائی کے بیان میں بایں الفاظ وکالت کرتے ہیں۔

"بیعت حضرت ابوبکر کا واقعہ لکھنے کے بعد تحریر کرتے ہیں کہ اس کاروائی

سے ایک اُٹھتا ہوا طوفان رک گیا اور لوگ مطمئن ہو کر کاروبار میں مشغول ہو گئے صرف بنو ہاشم اپنے اِدعا پر رُکے رہے۔ اور حضرت فاطمہؑ کے گھر میں وقتاً فوقتاً جمع ہو کر مشورے کرتے رہتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بزور ان سے بیعت لینی چاہی۔ لیکن بنو ہاشم حضرت علیؓ کے سوا کسی کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور علامہ طبری نے "تاریخ کبیر" میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت فاطمہؑ کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا" یا بنتِ رسول اللہ خدا کی قسم آپ ہم کو سب سے زیادہ محبوب ہیں تاہم اگر آپ کے یہاں لوگ اس طرح مجمع کرتے رہے تو میں ان لوگوں کی وجہ سے گھر میں آگ لگا دوں گا۔" اگرچہ سند کے اعتبار سے اس روایت پر ہم اپنا اعتبار ظاہر نہیں کر سکتے کیونکہ اس روایت کے رواۃ کا حال ہم کو معلوم نہیں ہو سکا، تاہم درایت کے اعتبار سے اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں، حضرت عمرؓ کی تندی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں حقیقت یہ ہے کہ اس نازک وقت میں حضرت عمرؓ نے نہایت تیزی اور سرگرمی کے ساتھ جو کارروائیاں کیں ان میں گو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہوں لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ انہی بے اعتدالیوں نے اٹھتے ہوئے فتنوں کو دبا دیا۔ بنو ہاشم کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اسی وقت جماعت اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا

اور وہی خانہ جنگیاں برپا ہو جاتیں جو آگے چل کر جناب علیؓ اور حضرت معاویہ میں واقع ہوئیں۔"

(الفاروق حصہ اوّل "سقیفہ بنی ساعدہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت اور حضرت عمر کا استخلاف۔ صد ۱۱۳)

قطع نظر اس امر کے کہ حضرت عمر کی یہ بے اعتدالی آئندہ مفید ثابت ہوئی یا مُضر، ہم قارئین کرام کی توجہ صرف اس محور پر ہی رکھنا چاہتے ہیں کہ واقعۂ قصد احراق خانہ تبرک کا انعقاد "تاریخی شواہد سے مکمل طور پر ثابت ہے بقول وکیل حضرت عمر علامہ شبلی صاحب " اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں "۔ ان پانچ معتبر و مُوثق شہادتوں کے بعد جن میں کی آخری گواہی سب سے بھاری ہے کہ خود مؤکل کے وکیل نے اعتراف کیا ہے اب کسی اور ثبوت کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی ہے پھر بھی مزید تشفی و تسلی کے لیئے مندرجہ ذیل حوالہ جات، ملاحظہ فرمائے جا سکتے ہیں، جن میں حضرت فاطمہؑ سلام اللہ علیہا کے گھر کو جلانے کے لیئے سامان آتش لے جانے کا ذکر مرقوم ہے۔

۱- مروج الذہب علامہ مسعودی جزء ۳ صد ۱۹۸

۲- الاستیعاب علامہ عبدالبر جلد اوّل ذکر عبداللہ بن ابی قحافہ ابوبکر صد ۳۴۵

۳- اردو ترجمہ ازالۃ الخفا شاہ ولی اللہ دہلوی مقصد دوم مآثر ابوبکر صد ۸۰ مطبوعہ قرآن محل کراچی

۴- روضۃ المناظر علامہ ابن شحنہ برحاشیہ جلد ۱۱ تاریخ الکامل صد ۱۱۳

۵ تاریخ احمدی نواب احمد حسین خانصاحب پر یانواں صد۱۱۱ اور صد۱۱۲

۶ ملل و نحل امام ابوالفتح محمد بن عبدالکریم شہرستانی جلد۱ صد۳۵

۷ تحفہ اثنا عشریہ مطبوعہ نولکشور صد۳۴۵۔

۸ حد تحقیق بمشرب سنی مولوی وحید الدین خانصاحب مطبوعہ لکھنو صد۱۱

۹ المرتضیٰ حافظ عبدالرحمٰن صاحب حنفی امرتسری مطبوعہ امرتسر صد۴۵

۱۰ منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند امام احمد حنبل جلد۲ صد۲۷ مطبوعہ مصر

واقعۂ قصد احراق بیت ارفع سیدہ مظلومہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے مصائب کا اہم ترین واقعہ ہے انتقال والدِ گرامی قدر کے فوراً بعد جب معصومہ عالم حزن و یاس میں تھیں، اور آپ کی آنکھوں میں دنیا اندھیر تھی، زندگی دو بھر دکھائی دیتی تھی۔ اُمت کی اخلاقی ذمہ داری اور دینی فریضہ تھا کہ وہ شکستہ خاطر اور غمگین دخترِ پیغمبرؐ کو دلاسہ دیتی ان کے حقوق کی نگہداشت کرتی قوم پر اُن کی ماتم پرسی کرکے تسکین دتشفی کرنا واجب تھا۔ لیکن افسوس محض تدبیر استحکام حکومت کی خاطر ان کے غم زدہ قلب پر انتہائی بے اعتدالیوں کے ساتھ صدمہ پہ صدمات پہنچانے کی ٹھان لی گئی۔ نہ ہی بیت کی عزت و شان کا لحاظ رکھا گیا۔ اور نہ ہی اہل بیتؑ کے اقتدار کو خاطر میں لایا گیا۔ حالانکہ خانہ بنتِ الرسولؐ کے تقدس و اعزاز سے مطلق باخبری حاصل تھی۔

بیتِ فاطمہؑ کی شان و عزت

اہل سُنت والجماعت کے مشہور علامہ حافظ امام جلال الدین سیوطی اپنی تفسیر دُرِ منثور میں ابن مردویہ سے حضرت انس بن مالک اور بریدہ

سے مروی ایک روایت لکھتے ہیں کہ

"رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس آیت کو پڑھا بیوت اذن اللہ ان ترفع ۔ یعنی گھروں میں سے ایک گھر ہے اللہ نے حکم کیا ہے کہ بلند کیا جائے پس ایک شخص (صحابی) کھڑا ہوا اس نے پوچھا اے اللہ کے رسولؐ یہ گھر کون ہے ؟ حضورؐ نے فرمایا کہ نبیوںؑ کے گھر ہیں۔ پھر حضرت ابوبکر نے کھڑے ہوکر دریافت کیا یارسول اللہ یہ گھر علیؑ و فاطمہؑ کا انہی گھروں میں سے ہے آنحضرتؐ نے جواب دیا کہ ہاں۔ یہ گھر ان گھروں سے افضل ہے۔"

جس گھر کی عزت و شان خود سرکار کائنات نے ایسی بلند فرمائی ہو۔ اور جس گھر میں ہمیشہ نورِ ہدایت کی شمع روشن رہی اسی گھر کو جلانے کے قصد میں اگر آگ روشن کی جائے تو دنیائے عدل و انصاف میں اس سے بڑھ کر اور کوئی بے اعتدالی نہیں ہوسکتی ہے یہی وجہ ہے مسلمانوں کے علاوہ جن غیر مسلم محققین نے تاریخ اسلام کا مطالعہ و تحقیق کی ہے وہ اس واقعہ کی مذمت کئے بغیر نہیں رہ سکے ہیں، چنانچہ جی چاہتا ہے کہ کچھ منصف یورپی مؤرخین کے نقل کردوں تک معاملہ بین الاقوامی سطح پر عدالت پر جا پہنچا اور پرکھا جائے۔ لیکن پابندی تلخیص حائل ہے لہٰذا محض صحت واقعہ کے بیانات ہی پر اکتفا کروں گا۔

غیر مسُلم مورخین

گبن

۱ مشہور مؤرخ ایڈورڈ گبن اپنی کتاب "دی کلائینز اینڈ فال

آف رومن ایمپائر" میں لکھتا ہے کہ "محقق بنی ہاشم نے حضرت ابوبکر کی بیعت سے انکار کیا اور ان کے سردار علیؑ چھ مہینوں سے زائد عرصہ قطعاً لاتعلق اور خاموش خانہ نشین ہو گئے انہوں نے حضرت عمر کی دھمکیوں کی کوئی پرواہ نہ کی جنہوں نے رسول خدا کی بیٹی کے مکان میں آگ پھونکنے کا ارادہ کیا تھا"

(DECLINE AND FALL OF THE ROMAN EMPIRE V.III P.519

ایرونگ

واشنگٹن ایرونگ اپنی مشہور کتاب "سیکسسرز آف محمدؐ" میں تحریر کرتا ہے کہ۔

"حضرت عمر نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ حضرت فاطمہ کے گھر کو گھیرے میں لے لیا۔ حضرت علی سے کہا کہ حضرت ابوبکر خلیفہ منتخب ہو چکے ہیں۔ آپ بھی بیعت کر لیں۔ حضرت علیؑ حجت پیش کرنے لگے اور انہوں نے اپنے حقوق جتائے۔ مگر حضرت عمر نے کہا اب مرضی عامہ کے خلاف جو کوئی خلافت پر قبضہ کرنے کا ارادہ کرے گا۔ اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ اور کہا کہ بیعت کر لو۔ ورنہ گھر کو اور جو لوگ اس میں موجود ہیں سب کو جلا دوں گا۔ حضرت فاطمہؑ نے ملامت کرتے ہوئے کہا بلند آواز میں پکارا اے خطاب کے بیٹے تو ایسا ظلم تو نہ کر۔ تو حضرت عمر نے جواب دیا کہ اگر تم لوگ اور لوگوں کی طرح بیعت نہ کرو گے تو خدا کی قسم میں ضرور آگ لگا دوں گا۔"

(SUCCESSSORS OF MUHAMMAD
WASHINGTON IRVING. P-4)

اوکلے

مسٹر اوکلے "ہسٹری آف سیراسینز" میں رقمطراز ہے کہ۔ "حضرت عمر گھر کو آگ لگا دینے ہی کو تھے کہ حضرت فاطمہ نے پوچھا تمہارا مطلب کیا ہے؟ حضرت عمر نے جواب دیا کہ اگر اور لوگوں کی طرح تم لوگوں نے بیعت نہ کی تو میں گھر کو جلا کر خاک سیاہ کر دوں گا۔

(HISTORY OF SARACENS OAKLEY P-83)

اب جبکہ اپنی پرائی شہادتوں سے یہ بات مکمل طور پر پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ واقعہ قصد احراق خانہ بتولؑ صحیح اور ناقابل انکار ہے تو پھر ہم تمام اہل اسلام سے دردمندانہ سوال کرتے ہیں کہ کیا جب کسی کے گھر کو آگ لگانے کی کوشش کی جائے تو گھر والے ان آتش بازوں پر ناراض ہوں گے۔ یا خوش؟ اگر کوئی گھرانہ ایسی صورت میں مسرت کا اظہار کرے گا۔ تو کیا انسانی عقل اسے خلل دماغی سے تعبیر کرے گی۔ یا ہوش مندی و بیدار مغزی سے؟ حالانکہ مشاہدہ ہے کہ ہر حساس شخص ایسی صورت حال کو انتہائی ناگواری اور ناراضگی سے دیکھے گا۔ مجھے ان لوگوں پر سخت تعجب اور حیرت ہے۔ کہ جو باوجود اس ارتکاب حرکت مذموم کے حضرت فاطمہ کی ناراضگی کو اہمیت نہیں دیتے اور سمجھتے ہیں کہ اہل بیتؑ اور اہل حکومت میں کوئی رنجش نہ تھی۔ چنانچہ اب ہم حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراؑ کی دائمی ناراضگی کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔

بنت رسولؐ کی دائمی ناراضگی

ضرب المثل ہے کہ ڈوبنے والا تنکے کو بھی سہارا سمجھتا ہے یہی مثال

اس گروہ کی ہے جو مثیل کشتی نوحؑ اور سفینۂ نجات میں سوار نہ ہوئے اور منجدھار میں پھنسے ڈبکیاں لے رہے ہیں اِدھر اُدھر ہاتھ پیر مارے چلے جاتے ہیں اور اپنے غرق ہونے والے بیڑے کا بھرم قائم رکھنے کے لئے طوفانی موجوں سے تو مدد کی استدعا کرتے ہیں مگر صحیح وسالم منزل مقصود پر پہنچنے والی کشتی کی جانب بڑھنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں۔ حالانکہ زبانی کلامی اقرار بھی کر رہے ہیں کہ یہی فلک النجاۃ ہے اسی طرح کی بیکار کوششیں ناموس صحابہ کے تحفظ کی آڑ میں ہمارے غیر شیعہ بھائی بھی کرتے رہتے ہیں۔ جن میں ایک یہ ہے کہ جب واقعہ آتش بر خانۂ بتولؑ سے انکار کرنا مشکل و محال نظر آنے لگتا ہے۔ تو دل کو جھوٹی تسلی دینے کے لیئے یہ مفروضہ وضع کر کے طبیعت بہلا لیتے ہیں کہ حضرت فاطمہؑ اس واقعہ کے بعد مرتکبین سے راضی ہو گئیں تھیں۔ اور چند روز بعد ان کی رنجش دور ہو گئی تھی۔ ایسا قیاس طفل تسلی سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے کیونکہ اولاً تو راضی ہونا ثابت نہیں ہو سکتا ہے اور دوم یہ کہ ناراضگی ہر صورت میں ثابت ہے جزوی یا کلی، عارضی یا دائمی اور جب ناراضگی اور غضبناکی دونوں صورتوں سے ثابت ہے تو یقیناً یہ ماننا پڑے گا کہ اس واقعہ میں ملوث افراد ہمیشہ کے لیئے یا کچھ عرصہ کے لئے غضب سیدہؑ اور ناراضگی فاطمہؑ کا نشانہ نہ ہوتے۔ جبکہ از روئے حدیث رسولؐ بی بیؑ پاک کی ناراضگی خدا اور اس کے رسولؐ کی ناراضگی ہے حضرت فاطمہؑ کے غضبناک ہونے سے رسولؐ خدا اور اللہ ناراض ہوتے ہیں۔ پس وہ تمام لوگ جن پر معصومہؑ ناراض ہو گئیں۔ مغضوب قرار پا گئے مغضوب صراطِ مستقیم سے جدا ہوتا ہے اب صرف یہ دیکھنا باقی ہے کہ یہ جدائی دائمی تھی یا عارضی تو ہم اس سلسلے

میں سب سے پہلے صحیح بخاری شریف کی جانب رجوع کرتے ہیں، کیونکہ تاریخی ثبوت ہم نے "الامامتہ والسیاستہ" کی منقولہ بالا عبارت میں پیش کر دیا ہے کہ سیدہؑ نے عہد فرمایا کہ وہ اپنے موذیوں کے لئے ہر نماز میں دعائے بد کیا کریں گی۔ اور صدیقہ طاہرہؑ نے بقول ابن قتیبہ دینوری فرشتگان و یزدان کو گواہ قرار دیکر فرمایا تھا کہ وہ اُن لوگوں پر ناراض و ناخوش ہیں۔ جنہوں نے انہیں اذیت دی لیکن ہم اس تاریخی واقعہ کو کتاب حدیث سے مستند کر کے اپنے موقف کو مزید تقویت پہنچاتے ہیں۔

ثبوت از بخاری شریف

عبداللہ بن محمد، ہشام، معمر، زہری، عروہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ حضرت فاطمہؓ اور حضرت عباسؓ حضرت ابوبکرؓ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کے ترکہ) سے اپنی میراث مانگنے آئے اور دونوں اس وقت فدک کی زمین سے اور خیبر سے اپنا حصہ طلب کر رہے تھے۔ تو ان دونوں سے حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارا کوئی وارث نہ ہوگا۔ اور جو کچھ ہم نے چھوڑا وہ صدقہ ہے۔ صرف اس مال سے آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کھائیں گے حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ خدا کی قسم! میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کام جس طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس کو نہیں چھوڑتا ہوں۔ چنانچہ حضرت فاطمہؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے ملنا جلنا چھوڑ دیا اور آپ سے گفتگو چھوڑ دی (یعنی میل ملاپ ترک) درامم

منقطع کر لئے) یہاں تک کہ وفات پا گئیں۔"

(صحیح بخاری شریف جلد ۳ کتاب الفرائض پ ۲۰ حدیث ۱۶۳۱ صد ۶۰۳)

نقل کردہ حدیث کے آخری جملوں سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے حضرت ابوبکر کے ساتھ تمام مراسم توڑ لئے اور تا دم وفات ان سے تعلقات منقطع کیے رہیں۔ اور ان سے کلام نہ کی۔ ایسی نازک کیفیت تب ہی ممکن ہو سکتی ہے جب باہمی اختلاف اور رنجش موجود ہو اور طرفین کے آپس کے تعلقات کشیدہ ہوں۔

پس چونکہ باعتبار روایت بخاری مرویہ اُم المسلمین حضرت عائشہ جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا نے اپنی وفات تک حضرت ابوبکر سے کلام نہ فرمایا اور گفتگو چھوڑے رہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ سیدہؑ کی ناراضگی دائمی تھی۔ عارضی ہرگز نہ تھی۔ محض حقائق کو چھپانے اور مذموم کارروائیوں پر پردہ پوشی کی خاطر بعض حاشیہ بردار افراد خود ساختہ حاشیے چڑھا دیتے ہیں کہ بی بیؑ پاک بعد میں راضی ہو گئی تھیں حالانکہ متن میں ایسی کوئی عبارت موجود نہیں ہے جس سے ایسا مطلب اخذ کیا جا سکے۔

پس اگر فاطمۃ زہرؑ بنت رسول اللہ آخری وقت تک حضرت ابوبکر سے ناراض رہتے ہوئے بھی جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔ تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اتباع فاطمہؑ میں اُمت کے ناراض افراد کو جنت سے محروم کر دیا جائے۔

شرکت جنازہ کی ممانعت

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی ناراضگی (دائمی) کا

ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ مخدومہؑ نے وصیت کی کہ حضرات ابوبکر و عمر وغیرہما آپ کی تجہیز و تکفین میں شریک نہ ہوں۔ جیسا کہ بخاری شریف ہی میں مرقوم ہے کہ:۔

" یحییٰ بن بکیر، لیث، ابن شہاب، عروہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ کہ دختر نبیؐ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے (کسی کو) حضرت ابوبکر کے پاس (ان کے زمانۂ خلافت میں) بھیجا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مال کا جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مدینہ اور فدک سے دیا تھا اور خیبر کے بقیہ خمس کی میراث چاہتے ہیں۔ تو ابوبکر نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہمارے مال کا کوئی وارث نہیں جو کچھ ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے ہاں آل محمدؐ اس میں سے کھا سکتے ہیں۔ اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں آپؐ کے عہد مبارک کے عمل کے خلاف بالکل تبدیلی نہیں کر سکتا اور میں اسی طرح عمل کروں گا جیسے رسولؐ کرتے تھے۔

(یعنی حضرت ابوبکر نے اس اقبال کے باوجود کہ آل محمدؐ اس میں سے کھا سکتے ہیں۔ حضرت فاطمہؑ کو مایوس کیا) ابوبکر کے اس (غیر آئینی) انکار پر حضرت فاطمہ حضرت ابوبکر سے ناراض ہو گئیں۔ اور سیدہ نے اپنی وفات تک حضرت ابوبکر سے کلام نہ کی حضرت فاطمہؑ آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد (صرف) چھ ماہ زندہ رہیں۔ جب اُن کی وفات ہوئی۔ تو ان کے شوہر نامدار حضرت علیؑ نے ان کو رات میں دفن کر دیا۔ اور ابوبکر کو (شرکت) کی اجازت نہ دی۔ اور خود ہی ان کے جنازہ کی نماز پڑھی۔"

(صحیح بخاری جلد دوم کتاب المغازی پارہ ۱۷ حدیث ۱۳۸۹ صد ۶۱۷/۶۱۶)

جنازہ میں شرکت کی ممانعت ثابت کرتی ہے سیدہؑ کا انتقال پُرملال اس حالت میں ہوا کہ آپؑ حضرت ابوبکر پر راضی نہ تھیں۔

سیدہ طاہرہؑ کی یہ وصیت جس میں آپؑ نے فرمایا کہ ان لوگوں میں سے کوئی میرے جنازے پر نہ آئے جن پر میں ناراض ہوں اور نہ ہی اُن میں سے کوئی میری نماز جنازہ پڑھے مشہور کتب اہل سنۃ میں درج ہے اطمینان کی خاطر ملاحظہ کریں۔

١ طبقات ابن سعد الجزء الثامن ذکر فاطمہ ص١٩٠۔

٢ مستدرک علی الصحیحین الجزء الثالث امام حاکم ذکر فاطمہ ص١٩٢

٣ حلیۃ الاولیاء ابی نعیم الجزء الثانی ص٤٣۔

مندرجہ بالا بیان سے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ جناب فاطمہؑ نے ہر طریقہ سے اُمت پر ظاہر کیا ہے کہ وہ اس جہان فانی سے اُن لوگوں پر ناراض گئی ہیں ممکن ہے جب انہوں نے سیدہؑ کی آخری وصیت اپنے بارے میں سماعت کی ہو گی۔ تو ان کے ضمیر نے انہیں ضرور قائل کیا ہو گا کہ واقعی رسولؐ صادق کی صدیقہؑ لختِ جگر پر ظلم ہوا ہے اور وہ ہم سے ناراض ہونے میں حق بجانب تھیں۔ بہرحال مجھے یہاں کسی بھی ضمنی بحث میں الجھنا مقصود نہیں ہے مگر یہ کہ سیدہؑ کا دائمی طور پر ناراض ہونا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ آپؑ ان افرادِ اُمت پر راضی نہ تھیں جنہوں نے آپؑ پر ظلم و ستم کیئے۔

دلائلِ صفائی اور عدالت کے تقاضے

قصہ احراق خانۂ بتولؑ کی تاریخی تحقیقات سے یہ پوری طرح ثابت ہو

چکا ہے کہ یہ دلسوز واقعہ فلک و ارض کا چشم دیدہ ہے اور غضب سیدہؑ ارباب حکومت کے لئے مقصد نہ سہی تاہم اب اس واقعہ کا فنِ عدالت سے جائزہ لیا جاتا ہے اور ان مباحث کی جانب رخ موڑا جاتا ہے جن کے بل بوتے پر اہل حکومت اپنی صفائی کے دلائل وضع کرتے ہیں اس معاملہ پر طائرانہ نظر دوڑانے سے یہ سوال ذہن میں ابھر آتا ہے۔ کہ مخالفین سیدہ طاہرہؑ اسلامی آسمان کے مہر و ماہ سمجھے جاتے ہیں۔ وہ پیغمبرؐ آخرالزماں کے قریبی مصاحب تھے اور ان کو نہ صرف شرف صحابیت حاصل تھا بلکہ دونوں کے مراتب رشتہ نسبتی کے لحاظ سے ممتاز تھے قدرت نے کائنات کی سب سے بلند ہستی کو ان بزرگوں کا داماد بنایا تھا یعنی یہ صاحبان حضورؐ کے والدین کے درجہ پر تھے خود ان کی بیان کردہ روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے وہ حضرت خاتونِ جنتؑ کے مرتبہ شناس تھے بقول ان کے اور اہل بیتؑ اطہار کی عزت و تکریم ان کی رگ رگ میں بسی ہوئی نظر آتی ہے کیونکہ اکثر وہ اس گھر کی تعریفوں کے پل باندھتے رہے ہیں۔ بہت حیران کن امر ہے کہ پوری شناسائی کے باوجود انہوں نے ایسا سنگین قدم کیوں اُٹھایا؟ عام ذہن میں یہ خیال آجاتا ہے۔ کہ یہ ارادہ بدنیتی پر مبنی نہیں ہو سکتا ہے بلکہ محض دھمکانے کی خاطر اس تدبیر کو بروئے کار لایا گیا۔ چنانچہ اہل جماعت حکومت صفائی کی اول دلیل یہی پیش کرتے ہیں۔ کہ اعمال کا انحصار نیتوں پر ہوتا ہے۔ والیان حکومت کا ارادہ سیدہؑ کو تکلیف پہنچانا نہ تھا۔ بلکہ محض ایک شورش اور اٹھتے ہوئے فتنہ کو دبانے کے لئے صرف دھمکی دی گئی۔

قصد احراق بدنیتی پر مبنی نہ تھا محض دھمکی تھی؟

اس دلیل کو غلط قرار دینے کے لئے صرف حضرت عمرؓ کی وہ قسم کافی ہے جو انہوں نے کھائی۔ حضرت صاحب اگر مصمم ارادہ احراق نہ لئے ہوتے تو ہرگز قسم کھا کر نہ کہتے کہ "خدا کی قسم تمہارے گھر کو آگ لگا دوں گا۔" (تاریخ طبری حوالہ مذکورہ بالا) حضرت عمر کا قسم کھانا ثابت کرتا ہے کہ ارادہ نیک ہرگز نہ تھا اور اگر لوگ گھر سے باہر نہ آتے تو وہ ضرور اپنی قسم کو پورا کر دیتے پھر حضرت عمر کی تیز مزاجی سے یہ حرکت عین قریب ہے جیسا کہ مولوی شبلی نے اعتراف کیا ہے اسی طرح اس واقعہ کے بعد کے واقعات کی تمام کڑیاں ثابت کرتی ہیں کہ جماعت برسر اقتدار کے عزائم متشددانہ تھے۔ اور انہوں نے ہر وہ سختی آزمائی جو بھی استحکام حکومت کے لئے ان کے نزدیک مفید ثابت ہو سکتی تھی۔ حضرت ابوبکر کے پاس حضرت علیؑ کو زبردستی لے جانا جبری بیعت حاصل کرنے کی سرتوڑ کوشش کرنا اہل بیتؑ اطہار کے اقتصادیات پر کاری ضربات لگانا اور عقیدتمندوں سے ناروا سلوک کرنے کے جو واقعات وقوع پذیر ہوئے مکمل طور پر ثابت کرتے ہیں کہ قصد احراق ایک اتفاقیہ دھمکی نہ تھی بلکہ سوچی سمجھی تدبیر تھی کہ حصول بیعت کا ذریعہ بن سکے۔

احراق کی دھمکی مقتضائے وقت نہ تھی

جب ہم مکمل طور پر واقعۂ قصد احراق خانۂ بتولؑ کا محرک ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت ثابت کرتے ہیں۔ اور جماعت حکومت کی نیت ظاہر ہو جاتی ہے

تو وکلاء صفائی دوسرا پہلو اختیار کر لیتے ہیں کہ فی الحقیقت ایسی حرکت وقت کا تقاضا تھی کیونکہ مخالفین حکومت (جن میں اکابر صحابہ رسولؐ اور پورا خاندان بنی شامل تھا اور اہل جماعت تمام کے تمام افراد کی عدالت کے قائل ہیں) حضرت فاطمہؑ کے گھر میں بیٹھ کر حکومت کے خلاف باہمی مشورے کیا کرتے تھے۔ اور کسی بھی حکومت کی یہ فطری ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اپنے خلاف ہر قسم کی سازش کو کچل دے اور تمام طرح کی باغیانہ سرگرمیوں کی راہیں مسدود بنا دے تاکہ امن و امان سے کاروبار حکومت چلا سکے اور ریاست کو استحکام نصیب ہو۔ پس چونکہ خانۂ سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا میں اصحاب و اہل بیت مل کر خلیفۂ نو منتخب کے خلاف مجمع کرتے تھے۔ لہٰذا حکومت کا بنیادی حق تھا کہ وہ اُن افراد کو اس باغیانہ کارروائی سے باز رکھے اور تادیبی کارروائی کرے پس حکومت کی طرف سے ایسی دھمکی یا سختی ایک آئینی و قانونی ضرورت کے تحت تھی۔ جو فطری دستور کے لحاظ سے مذموم نہیں سمجھی جا سکتی۔ پس حکومت نے اپنا ریاستی فرض پورا کیا اور ایک ایسی جگہ کو جلانے کی دھمکی دی جہاں بنو ہاشم مع اپنے حواریوں کے خطرناک منصوبے بناتے تھے وغیرہ وغیرہ۔

یہ تنقیح بظاہر ٹھیک دکھائی دیتی ہے کہ واقعی کوئی بھی حکومت برداشت نہ کرے گی کہ اس کے خلاف سازش کا جال بنایا جائے اور یہ حکومت کی بنیادی ضرورت ہو گی کہ ایسی شرارتوں کا قلع قمع کرے لیکن معاملۂ احراق میں کچھ تشریحات درکار ہوں گی۔

اوّل یہ ہے کہ کیا واقعی خانۂ سیدہ طاہرہؑ میں حکومت کے خلاف بغاوت کے منصوبے بنتے تھے اور مالکان خانہ علیؑ و فاطمہ کی سرپرستی میں یہ بغاوت پروان چڑھ رہی تھی؟

اگر جواب یہ ہو کہ "ہاں" بے شک فاطمہؑ کے گھر میں علیؑ کی موجودگی و سرپرستی میں حضرت ابوبکر کی خلافت کے خلاف بغاوت کے منصوبے تیار ہو رہے تھے۔ تو اس کا پورا فائدہ مذہب

شیعہ کو پہنچے گا اس لیئے کہ اس صورت میں مندرجہ ذیل امور از خود ثابت ہو جاتے ہیں

۱- حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ حضرت ابوبکر کو خلیفہ برحق نہ مانتے تھے

۲- حضرت ابوبکر جناب علیؑ و سیدہ بتولؑ کے نزدیک غاصب تھے

۳- حضرت ابوبکر کو خلیفہ نہ ماننا دین میں کوئی نقص پیدا نہیں کرتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو خاندان نبوت یہ گناہ نہ کرتا۔

۴- حضرت ابوبکر نے خاندان رسولؐ کو حکومت سنبھالتے وقت اعتماد میں ہرگز نہ لیا تھا۔

۵- مقتدر صحابہ نے بیت بنت رسولؐ میں حضرت ابوبکر کی حکومت کو ختم کرنے کے منصوبے بنائے۔

۶- تمام صحابی چونکہ بقول اہلسنت عادل ہوتے ہیں لہذا یہ سازشی کارروائی بھی "عدل" قرار پائے گی۔

۷- رسولؐ نے حدیث ثقلین کے ذریعے اُمت کو قرآن و اہل بیتؑ کے حوالہ کیا چونکہ اہل بیتؑ نے حضرت ابوبکر کی حکومت کو ماننے سے انکار کیا لہٰذا از روئے حدیث حضرت ابوبکر سے بیزاری درست ہوگی۔

۸- جس طریقہ سے حضرت ابوبکر برسر اقتدار آئے وہ سسٹم جید صحابہ اور اہل بیتؑ نبوی کی نگاہ میں غیر محمود اور ناقابل قبول تھا۔

۹- اگر بالفرض محال حضرت ابوبکر کا انتخاب اور قبضہ امارت اسلامیہ جائز بنیاد پر تھا تو مخالف صحابہ اور آل رسولؐ غلطی پر تھے۔ اگر یہ غلطی تھی تو یہ تعین کرنا پڑے گا۔ کہ آیا دینی غلطی تھی یا دنیوی سیاسی اختلاف تھا دین کی غلطی امر محال ہے کہ خود حضورؐ نے اُمت کو تمسک بالثقلین کی ہدایت دائمی فرما کر اہل بیتؑ کا برسر حق ہونا باضمانت قرار دیا اور اگر سیاسی غلطی ہے تو ماننا پڑے گا کہ اہل بیتؑ کی سیاست

اور اہل حکومت کی سیاسی پالیسیوں میں آغاز ہی سے اختلاف ہے اب چونکہ تمسک کا حکم رسولؐ اہل بیتؑ کے لئے ہے لہذا نتیجہ برآمد ہوا کہ سیاست رسولؐ موقف اہل بیتؑ سے وابستہ تھی اور ان کا مخالف غیر نبوی سیاست پر کاربند تھا ایسی صورت میں بھی تائید اہل بیتؑ کے حصہ میں آتی ہے۔

۱۰- سب سے قابل غور امر یہ ہے کہ اگر استخلاف حضرت ابوبکر آئینی تھا تو کیا حکومت وقت نے ایسا انتہائی تشدد آمیز قدم اُٹھانے سے پہلے اختلافات کو ملحوظ رکھتے ہوئے نرم رویہ کے ساتھ مصالحت کرنا چاہی۔ اور مذاکرات کی کوشش کی، اگر ایسی کوشش کی گئی تو اس کا کیا نتیجہ نکلا اگر نہیں تو یہ جارحانہ کارروائی اعتدال کے تقاضے کیسے پورے کرتی ہے کہ اگر ایسی بے اعتدالی ہی ضروری تھی تو اس کی ٹھوس بنیاد کیا ہوئی۔ اب چونکہ سازش و بغاوت کا کوئی ثبوت مہیا نہیں کیا جاسکا ہے لہٰذا اس کارروائی کو سوائے طاقت کے غلط استعمال کے اور کچھ نہیں سمجھا جاسکے گا۔

اب اگر یہ موقف اختیار کیا جائے کہ نہیں۔ خاندانِ رسولؐ کے تقدس و طہارت کو مدنظر رکھتے ہوئے اور صحابہ کی عظمت و عدالت کو ملحوظ کرتے ہوئے ہم ہرگز یہ نہیں کہہ سکتے کہ سیدہ معصومہؑ کے مکان میں حکومت کے خلاف نقصان دہ منصوبے بنتے تھے۔ بلکہ بات صرف یہ تھی کہ اختلاف رائے کی وجہ سے خاندان نبوت اور ان کے طرفدار افراد حکومت پر نکتہ چینی کرتے تھے۔ لہٰذا یہ تنقید برسر اقتدار طبقہ کو ناگوار معلوم ہوئی اس کو انہوں نے اپنے خیال میں مضر جانا اور فتنہ سمجھا اس لئے اس کا سدِباب ضروری جانا۔ تو ہم کہیں گے یہ کارروائی قطعاً غیر جمہوری تھی اور آزادی رائے کے فطری حق پر ظلم تھا محض اختلاف رائے کی بنا پر قانونِ خداوندی میں کسی کے خلاف کارروائی کرنا

غیر مستحسن اور قابل مذمت ہے چہ جائیکہ خاندانِ رسالت مآبؐ کے ساتھ محض سیاسی اختلاف کی بنا پر ایسی انتقامی کارروائی کی جائے پس اس تاویل پر بھی حکومت پر سر غلطی ثابت ہوتی ہے۔

لیکن جب یہ کہا جائے کہ لوگوں کی اکثریت نے ایک حکومت کے اقتدار کو تسلیم کر لیا تھا تو پھر متخلفین کو بھی عوامی رائے کا پاس کر لینا چاہیئے تھا لہٰذا حکومت نے اپنے کو منوانے کے لئے اپنی جاہ و حشم کے ساتھ دباؤ ڈالا۔ تو ہم عرض کریں گے کہ ایسا مطالبہ اسلام کی سیاست کے خلاف تھا کیونکہ اسلام میں جبر و اکراہ کی گنجائش نہیں ہے اور جبری بیعت کو استحباب حاصل نہیں ہے لہٰذا ایک غیر اسلامی مطالبہ ہٹ دھرمی اور غیر قانونی ضد کے باعث یہ کارروائی عمل میں لائی گئی۔ حالانکہ سعد بن عبادہ جیسے عشرہ مبشرہ کے صحابی اور کئی دوسرے اکابرین کی رائے اس قیام حکومت کے خلاف تھی مگر کسی دوسرے مخالف کے ساتھ ایسی سختی نہ کی گئی۔ حضرت سیدہ طاہرہؑ سے ایسی زیادتی کرنا کیوں ضروری سمجھا گیا۔ جبکہ سعد بن عبادہ علانیہ باغی تھے انہوں نے شمشیر بکف مخالفت کی لیکن سیدہ طاہرہؑ کی طرف سے ایسا کوئی ثبوت موجود نہ تھا۔

کیا خانۂ بتولؑ سازشوں کی آماجگاہ تھا!

اس معاملہ کی تحقیق کرتے ہوئے یہ امر بھی ٹٹولنا پڑتا ہے کہ کیا یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ بضعۃ الرسولؐ کے گھر میں لوگ حکومت کا تختہ الٹنے کی سازشیں بنانے تھے یا صرف اس کی اساس شبہ پر ہی تھی ہم بڑے وثوق سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ۔ وہ اجتماع جو بنی ہاشم کے افراد اور کچھ دیگر اصحاب پر حضرت فاطمہؑ کے گھر میں اکٹھا تھا

لینے میں سے کسی کو خلیفہ بنا لینے کا اس وقت خواہش مند تھا تو بہت آسان تھا کہ وہ کسی کی خلافت پر بیعت کر لیتا اور جس طرح ابوبکر اپنی بیعت کے لئے لوگوں کو مجبور کر رہے تھے۔ اسی طرح یہ لوگ اپنے نامزد خلیفہ کی خلافت کے لئے کوشش کرتے۔ یہ بات دوسری ہوتی کہ لوگ کس کے طرفدار بنتے۔ کیونکہ ایسا کہنا صرف قیاسی ہو سکتا ہے لیکن ایسا ہرگز نہ ہوا بلکہ تاریخ سے مکمل طور پر ثابت ہے کہ اہل بیتؑ اور بنی ہاشم حضرت علیؑ ہی کو خلافت کا حقدار سمجھتے تھے اور جب سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر کی خلافت قائم کر لی گئی۔ اور بنی ہاشم سے بالکل اس معاملہ میں کوئی مشورہ نہ کیا گیا تو اس غیر نمائندہ اجتماع کے انتخاب پر لوگوں کو اعتراض ہوا اور انہوں نے خاندانِ رسولؐ کی طرف رجوع کیا اگر کسی حقدار کی حق تلفی کے بارے میں غور و فکر کرنے کو سازش کہا جا سکتا ہے تو پھر یہ ضرور سازش تھی۔ ورنہ انصاف تو یہ ہے کہ محلاتی سازش جو وجود میں آچکی تھی، یہ اجتماع اس کے خلاف تھا۔ حضرت علی مرتضےٰ علیہ السلام حضرت زبیر بن عوام ۔ افراد بنی ہاشم اور صحابہ رسولؐ کا حضرت سیدہ طاہرہؑ کے مکان میں ایک غاصب حکومت کے خلاف مشوروں کے لئے اکٹھا ہو جانا ہرگز یہ ثابت نہیں کر سکتا ہے کہ ایک آئینی حکومت کے خلاف سازشی جلسہ تھا۔ کیوں کہ سقیفہ بنی ساعدہ کا مجمع ہی ایسا تھا جو پوری امت کا نمائندہ اجتماع کہلوا سکتا تھا۔ تین چار مہاجرین اور چند انصار کا اکٹھا ہو جانا اجماع کی حد میں سما نہیں سکتا ہے۔ درآنحالیکہ وہ لوگ جو ممتاز و باثر اور ہر دلعزیز و محبوب رسولؐ تھے اس محفل میں موجود نہ تھے خلافت کے امیدوار اور مستحق افراد اہل بیتؑ جن کے خون و پسینہ سے اسلام کی آبیاری ہوئی تھی اس مجمع سے قطعاً

لاتعلق تھے اور قریش کے سرخیل لوگ جن میں، بنی اُمیہ کا سردار ابوسفیان بھی تھا وہ بھی اس مجلس میں نظر نہیں آتا تھا لہٰذا کچھ افراد کا بلا جمہوری مشورہ کے کسی شخص کو امیر بنا لینا درحقیقت ایک سازش تھی اور ایسی سازش کے خلاف جو لوگوں کی مرضی کے خلاف تھی۔ اور جسے زبردستی لوگوں سے منوانے کی کوشش کی جا رہی تھی آواز بلند کرنا آئین اسلام میں جہاد کہلواتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد رسولؐ ہے "کہ کسی جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا سب سے بڑا جہاد ہے۔" پس چونکہ حضرت ابوبکر کی خلافت کا انعقاد ایک ایسے غلط طریقہ سے ہوا کہ جس کے بارے میں خود حضرت عمر کو کہنا پڑا کہ اگر آئندہ کوئی اس طرح کا انتخاب کرے تو اس کی گردن مار دی جاتے - لہٰذا اہل حق نے اس کو پسندیدہ نظروں سے نہ دیکھا پس اُن پر ظلم کیئے گئے اور لوگوں کو بزور شمشیر اپنا ہم نوا بنانے کے لئے وہ تمام ترکیبیں استعمال کی گئیں جن کو سن کر انصاف کو خون کے آنسو رونا پڑتا ہے یہی وہ عدل کی گردن زدنی تھی جس کے باعث آج تک اسلام اپنے خون میں نہا رہا ہے اور ارباب حکومت کے وکلاء مجبور ہیں کہ اقرار کریں کہ اس وقت صاحبانِ اقتدار سے بہت سی بے اعتدالیاں سرزد ہو گئی تھی جیسا کہ ہم نے شبلی صاحب کا بیان گذشتہ صفحات میں نقل کیا ہے۔ پس ہم کہتے ہیں خانۂ سیدہؑ کسی سازش کی آماجگاہ ہرگز نہ تھا بلکہ ایک سازش کے خلاف اربابِ حق کی فریادگاہ تھا

سیاست میں تشدد جائز ہے

جب حضرات اہل سنۃ والجماعت کو دینی مباحث میں اپنا پلہ ہلکا دکھائی دیتا ہے تو ان کے وکلاء مباحثہ کا رخ دنیوی سیاسیات کی طرف موڑ لیتے

ہیں اور کہتے ہیں کہ سیاست میں سختی بالکل جائز ہوا کرتی ہے لہٰذا اگر اُن لوگوں کے خلاف تشدد نہ کیا جاتا جو حضرت ابوبکر کی خلافت کے خلاف تھے تو یہ نرمی ان کی حکومت کے استحکام کے لئے مضر ہوتی ایسے مخالفین کو آزاد و بے خوف رہنے دینا خود ان کی حکومت کیلئے تکلیف دہ ہوتا کیوں کہ ایسی صورت میں یہ امکان تھا اگر وہ مخالف طاقت پکڑ لیتا اور ان کا تختہ الٹ دیتا۔ پس سیاسی تقاضا یہی تھا کہ ایسے افراد کو دبا کر رکھا جاتا۔ ان کی کڑی نگرانی کی جاتی اور ہر حکومت اپنے استقلال و استحکام کے لئے ایسا کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔

ہم کہتے ہیں آپ کی وکالت بجا ہے مگر راہ خدا اپنے اس موقف پر قدم جمائے رہو اور اس سے سرکو نہیں۔ اگر ثابت قدم ہو تو سنو تو کہ ایسی بحث سے بھی یہی نتائج اخذ ہوں گے کہ:-

۱۔ جماعت صحابہ کبار، بنی ہاشم اور اہل بیتؑ اظہار میں شدید مخالفت تھی۔

۲۔ سیدہؑ طاہرہ کے گھر میں اہل بیتؑ اور صحابہ کا حضرت ابوبکر کی خلافت کے خلاف مشورہ کرنا حکومتِ ابوبکر کی ناجوازی کی زبردست دلیل ہے

۳۔ حضرت علیؑ اور دیگر بنی ہاشم و اصحاب نے علانیہ حضرت ابوبکر کو خلیفہ نہ تسلیم کیا۔

۴۔ خلافت ابوبکر ہرگز حقہ نہ تھی بلکہ اس کی بنا غصب، ظلم و جور اور تشدد کی سیاست پر تھی۔ سرکار ختم المرسلینؐ کا ارشاد ہے کہ حق علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ حق کے ساتھ ہے لہٰذا علیؑ کا مخالف ازروئے فرمانِ نبویؐ حق کا مخالف قرار پایا۔ رسولؐ نے فرمایا ہے کہ "علیؑ اور قرآن قیامت تک ساتھ رہیں گے۔" پس بمطابق ارشاد رسولؐ مخالفین علیؑ قرآن

کے بھی مخالف ہوئے حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ "علیؑ کی رضا میری رضا ہے۔ جو علیؑ کا دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے۔ لہٰذا مخالفین علیؑ خود بخود مخالفین رسولؐ ٹھہرے۔

۵۔ حدیث پیغمبر آخر الزماں صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ جس نے اپنے امام وقت کو نہ پہچانا وہ کفر کی موت مر گیا حضرت علیؑ اور حضرت ابوبکر آپ کے سیاسی پہلو کے مطابق ایک دوسرے کے مخالف قرار پائے اب یا تو حضرت ابوبکر خلیفہ برحق تھے یا حضرت علیؑ جائز امام تھے۔ اگر ابوبکر جائز امام تھے تو معاذ اللہ حضرت علیؑ، صحابہ اور بنی ہاشم نے ان کی معرفت حاصل نہ کرکے کفر اختیار کر لیا۔ اور جب آپ اپنی اس بحث کو اپنے مبینہ سیاسی عذر کے تحت اس مقام پر لائیں گے تو آپ کے مذہب کی ساری عمارت ملبہ کا ڈھیر بن جائے گی۔

پس مذہب سُنیہ پر قائم رہتے ہوئے آپ اس بحث کو جاری ہی نہیں رکھ سکتے ہیں کیونکہ آپ کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ خلفاء اربعہ یعنی چار یاران رسولؐ۔ ایک روح اور چار جسم تھے ایک دوسرے کے ہی خواہ وخیر اندیش تھے۔ ان میں رشک وحسد نام کو نہ تھا۔ چاروں آپس میں رحیم تھے۔ رتی بھر ان میں اختلاف نہ تھا۔ چاروں ہم مرتبہ تھے ان چاروں میں قطعاً کوئی فرق نہ تھا بلکہ آپ کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ حضرت ابوبکر کو جائز خلیفہ رسولؐ مانتے تھے اور خود سے افضل سمجھتے تھے اب جب دونوں آپس میں یوں شیر وشکر تھے تو پھر ایسے عقائد کی موجودگی میں اس طرح کی سیاسی تجاویز مخالفت واستحکام وغیرہ کے مفروضے بالکل ناروا معلوم ہوتے

ہیں۔

یہ بحث اس وقت مفید ہوتی ہے جب آپ بنی خدا، قرآن اور حکومت الٰہیہ سے جدائی اختیار کر لیں۔ کیونکہ اسلامی سیاست کلمہ گو پر کسی قسم کے تشدد کی اجازت نہیں دیتی ہے خواہ وہ سیاسی ہو یا غیر سیاسی۔ ہاں اگر بے دین بن کر یہ بحث کریں تو پھر آمریت کے استحکام کے لئے ایسی کارروائی مفید ثابت ہو سکتی ہے اسلامی نظام حکومت کے اندر رہتے ہوئے اس واقعہ کو بے جا طاقت کا استعمال کہنے کے سوا اور کوئی نام نہیں دیا جا سکے گا۔

مستقبل کا ردعمل

واقعہ اہتمام احراقِ خانۂ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا اور ظلم وتشدد کے دیگر واقعات نے مکمل طور پر ثابت کر دیا ہے کہ جماعت حکومت نے اپنے مخالف گروہ یعنی اہل بیتؑ رسولؐ کی شدید مخالفت کرکے امت مسلمہ کو قیامت تک کے لئے دو گروہوں میں تقسیم کر دیا ان کے بعد آنے والے حکمرانوں نے وہی طریقے اختیار کیے جو ان کے پیشرو پیچھے چھوڑ گئے تھے آئندہ حکومتوں کا طرزِ عمل، رویہ، تخیل، کردار وافعال اور پالیسیاں تقریباً حکومت سقیفہ کی آئینہ دار رہی ہیں۔ تاریخ بینی سے یہ انکشاف ہو جاتا ہے کہ آئندہ بادشاہوں نے حکومتِ سقیفہ کے نظائر کو قابل حجت سمجھا اور اُن کی سیرت کو لائق پیروی لازم جانا۔

مثلاً یہ کہ جبراً بیعت لینا دُنیا کے کسی بھی مذہب میں جائز نظر نہیں آتا اور نہ ہی کسی اخلاقی ضابطہ۔ بس اس کی تائید ملتی ہے آج کی دہریت

کی دنیا میں بھی ہمیں کسی ضابطہ قانون میں یہ بات نظر نہیں آتی ہے کہ آزادیٔ رائے کو نظر انداز کرتے ہوئے جبری بیعت لینے کی من مانی کرنا جائز تسلیم کیا گیا ہو لیکن افسوس کہ رسول کریمؐ کے پیغام حریت کو نظر انداز کرتے ہوئے حکومت سقیفہ نے جبری بیعت کی وہ نظیر قائم کر دی جس کو سامنے رکھ کر دنیائے اسلام میں ہمیشہ آمرانہ حکومت اپنا سر بلند رکھ سکتی ہے۔ اسی مثال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یزید جیسا فاسق و فاجر شخص اتراتا تھا اور اس نے اپنے بزرگوں کی سنت پر عمل کرتے ہوئے امام حسین علیہ السلام سے جبری بیعت کا مطالبہ کیا تھا۔ حجاج بن یوسف جیسے تاریخ سفاح کہتی ہے اس نے اپنی حکومت کے مخالفین کو ہر قسم کے جور و ظلم و قتل و غارت کے ذریعہ دبائے رکھنے کو فعل مستحسن خیال کیا ہوگا۔ کہ اس کے خلیفہ اوّل کی سنت تھی۔

اوّل حکومت غاصبہ نے آلِ رسولؐ کی مخالفت و تحقیر و تذلیل کا وہ سلسلہ جاری کیا جس کو اس کی خواہش و نیت کے مطابق اس کی پیرو کار حکومتوں نے آخر وقت تک جائز و قائم رکھا۔ اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے اور جاری رہے گا۔ کیونکہ اب تو یہ بات مذہب میں رچ بس گئی ہے کہ جمہور مسلمین کے عقائد میں داخل ہو چکی ہے مگر اس طرز عمل نے انسانیت اور عدالت کی تاریخ کے صفحوں کو ایسا کالا کیا ہے کہ آسمان لاکھ خون روئے ان کالے قوانین کی سیاہی کبھی سفیدی میں نہیں بدل سکے گی۔ (تا ظہور حجتؑ خدا)

بعد از رسول اسلام کی پہلی برسر اقتدار حکومت نے احسان فراموشی کی ایسی نظیر قائم کر دی کہ جس کو دیکھ خود اسلام اپنے گریبان میں جھانکنے پر مجبور ہو جاتا ہے کفر تو ضرور خندہ زن ہوتا ہوگا۔ اور اسلام کو شرمندہ کرتا ہوگا کہ دیکھ میں نے

رام چندر جی جیسے لوگ پیش کئے ہیں جنہوں نے اپنی سوتیلی ماں کی اتنی عزت کی کہ اس کے اشارے پر حکومت کو لات مار دی اور بن باس قبول کر کے بارہ برس جنگلوں میں کاٹ دیئے اور تمہارے اسلام کے شمس و قمر ایسے چڑھے کہ دنیوی حکومت اور وجاہت کے حصول کی خاطر انہوں نے وہ چاند چڑھائے کہ جس سے انسانیت کی آنکھ کی روشنی جاتی رہی۔ عدالت النسانیہ کا گریبان چاک ہو گیا اور احسان فراموشی جیسے بدترین اور قابل مذمت عمل کے مرتکب ہوئے شاید روز محشر شیطان بھی ان بداعمالیوں کا جدول اُٹھائے میدان میں آنکلے اور اپیل رحم داخل کر دے کہ خداوندا میں نے تیرے مخصوص بندوں کو تکلیف نہیں دی ہے مگر دیکھ یہ اس مخلوق کے اعمال کا کچا چٹھا ہے جس کو تو نے مجھے سجدہ کرنے کو کہا تھا۔ لیکن غالباً اس نقشہ کو باطل کرنے اور انسانیت کے جوہر منوانے کے لئے سیدہ فاطمہ طاہرہؑ کی مظلومانہ فریاد حضرت امیرؑ کا صبر اور امام حسنؑ کی شہادت اور حسینؑ کی استقامت و شجاعت کی حجت منجانب عدالت تمام ہو گی اور شیطان کا منہ بند ہوگا۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی وکالت

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنے والد شاہ ولی اللہ کی طرح جماعت اہل حکومت کے مشہور وکلاء میں سے ہیں۔ آپ نے مذہب شیعہ کے خلاف ایک کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" لکھی۔ اس کتاب کے دسویں باب "در مطاعن خلفاء" میں حضرت عمر کے مطاعن کے جواب میں طعن ۱۲ کا جواب یہ الفاظ لکھا ہے۔

طعن دوم یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مکان سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کا جلا دیا اور اُن کے پہلو مبارک پر تلوار سے ایسا صدمہ پہنچایا کہ حمل ساقط ہوا۔"

یہ قصہ بالکل واہی اور بہتان اور سراسر افترا ہے۔ اس کی کچھ اصل نہیں۔ اسی واسطے اکثر امامیہ قائل اس قصے کے نہیں ہیں اور کہتے ہیں کہ قصد مکان مبارک جلانے کا کیا تھا لیکن جلایا نہیں ظاہر ہے کہ قصد امور قلبیہ سے ہے کہ سوائے خدا تعالیٰ کے اس سے کوئی واقف نہیں ہوتا۔ اور اگر مراد ان کی قصد سے زبانی ڈرانا دھمکانا ہے کہ جلا دوں گا۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دھمکی اور ڈرانے سے ان لوگوں کا ڈرانا منظور تھا۔ کہ اہل خیانت نے آپ کے مکان کو امن و پناہ کی جگہ جان کر حکم حرم مکہ معظمہ کا دیا تھا۔ وہاں جمع ہو کر خلیفہ اول کی خلافت لوٹ پوٹ کرنے کے واسطے صلاحیں اور مشورے فساد انگیز کرتے تھے اور فساد فتنے اُٹھایا چاہتے تھے۔ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا بھی ان کی نشست برخاست سے مکدر و ناخوش تھیں لیکن بسبب کمال حسن خلق کے ظاہر ان سے نہیں فرماتی تھیں کہ ہمارے گھر مت آؤ۔ عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب نے جب یہ حال دیکھا تو اس گروہ سے دھمکا کر کہا کہ میں اس گھر کو تم پر جلا دوں گا۔ کہ پھر نہ آنے جانے پاؤ۔ اور خصوصیت جلانے کی تہدید میں موافق حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے اور اُسی سے مُستنبط ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو جو جماعت میں حاضر نہ ہوتے تھے۔ اور امام کے پیچھے نماز نہ پڑھتے تھے۔ ایسا ہی ارشاد فرمایا تھا۔ کہ اگر یہ گروہ ترک نماز سے باز نہ آئے تو میں ان کا گھر ان پر پھونک دوں گا۔ اور چونکہ ابوبکر بھی امام نماز مقرر کئے ہوئے حضرت پیغمبر کے تھے۔ اور وہ لوگ ان کی امامت یعنی کو ترک کرنا تجویز کرتے تھے اور رفاقت جماعت مسلمانوں کی اس امر میں نہیں کرتے تھے لیس یہ قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی مشابہ قول پیغمبر کے ہے

صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس کے علاوہ فتح مکہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں عرض کیا گیا کہ ابن اخطل جو شعرائے کفار سے تھا اور بارہا اپنے شعروں میں ہجو آپ کی لکھ کر اپنا منہ کالا کرتا رہا تھا خانہ کعبہ میں جا کر اس کے پردوں میں جہاں تجلی کا آشیانہ ہے چھپا ہے اس کے مقدمہ میں کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ اس کو وہیں مار ڈالو اور کچھ پاس کسی بات کا نہ کرو اور جب ایسے مردود دین جناب الٰہی کو خانہ خدا میں پناہ نہ ہو تو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے گھر میں کیوں پناہ ملنا چاہیئے ۹ اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا ایسے شریروں مفسدوں کے سزا دینے سے کب مکدر ہوں گی کہ **تخلقوا باخلاق اللہ** خدا کی عادتوں کے موافق عادت اختیار کرو۔ آپ کی طینت پاک کا شیوہ تھا اس کے ساتھ ہی۔ صحیح خبروں سے ثابت ہے کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا بھی ان لوگوں کو اس جماد سے منع کرتی تھیں ۱۰

نیز قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس موقع پر حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے فعل سے بہت گھٹ کر ہے کہ جب بعد شہید ہونے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آپکی خلافت ٹھہری کہ جو لوگ کہ ارادہ برہم کرنے اس منصب عظیم کا دل میں رکھتے تھے۔ مدینہ سے نکل کر مکہ کو دوڑے اور پناہ سایہ حرم محترم رسول یعنی ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں داخل ہو کر دعویٰ قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کا ان کے قاتلوں سے کر کے آمادہ جنگ و پیکار ہوئے تھے حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے ان کو قتل کیا اور کچھ پاس حرم محترم رسول (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور رعایت ادب اپنی ماں اور ام المومنین رضی اللہ عنہا کا جو بموجب نص قرآن کے ہے نہ فرمایا ہر چند جیسے کچھ ذلت و اہانت اور آسیب و صدمہ حرم محترم رسول نے اٹھایا

اظہر من الشمس ہے اور واقعی حضرت امیرؓ نے جو کیا نہایت نیک اور خاص الخاص حق تھا۔ کہ ایسے بڑے کاموں میں جن میں فتنہ اور فساد عام ہو جزئی۔ مصلحتوں کی رعایت کر کے اس کے مقدموں اور مبادی کو چھوڑ دینا اور تدارک نہ کرنا کمال بے انتظامی امور دین و دنیا کی ہے پس جیسا کہ گھر حضرت زہراؑ کا واجب التعظیم اور احترام تھا۔ ام المومنینؓ اور حرم محترم رسول اور زوجہ محبوبہ ان کی کہ محبوب الٰہی تھی یہ بھی واجب التعظیم و احترام تھا۔ بلکہ عمرؓ سے صرف قول اور تخویف واسطے ڈرانے دھمکانے کے وقوع میں آئی اور حضرت امیرؓ نے تو اس فعل کو بھی حد درجہ کو پہنچایا پس اس مقام پر زبان طعن کی حضرت عمرؓ پر بڑھا دینا حالانکہ ان کا قول فعل حضرت امیر سے بدرجہا گھٹا ہوا ہے سوائے تعصب و عناد کے اور بنیاد اس کی کیا ہے ع۱۱۔

اب اگر اہل سنت کے مقابلہ میں یہ فرق پیدا کیا جائے کہ خلافت امیرؓ کی حق تھی لہذا اسکا حفظ انتظام تو ضروری تھا اور پاس ام المومنینؓ اور تعظیم حرم رسول کی سب ساقط ہو گئی لیکن خلافت ابوبکرؓ کی ناحق تھی عمرؓ نے اس خلافت فاسدہ کا پاس کیا اور اس کے حفظ انتظام کے واسطے حضرت زہراؑ بنت رسول کے گھر کا لحاظ نہ کیا کہ وبال پر وبال ہے یہ سب ان کی نہایت بے عقلی و نادانی ہے اس لئے کہ اہل سنت کے نزدیک دونوں خلافتیں برابر ہیں، دونوں کو حق جانتے ہیں۔ خصوصاً اس وقت طعن عمرؓ بن خطاب کی طرف متوجہ ہوتا عمر کے نزدیک جو خلافت ابوبکرؓ کی مقرر حیثیت تھی یعنی الٰہی کا حق تھا اور اس وقت کوئی جھگڑا لو اور مخالف کہ ابوبکرؓ کا ہم جنس تھا یعنی برابر والا اور یہ اس کی مخالفت کی پرواہ نہ کرتے اور گنتی میں نہ لاتے ع۱۲ بنیاد ایسی

خلافت منتظمہ کی کہ اوّل جوش اسلام کا تھا اور وقت نشو و نما نہال دین۔ اور ایمان کا برہم کرنا اور ارادے فاسد سوچنا ضرور [illegible] موجب قتل و تعزیر نہ سہی تو کم سے کم موجب ڈرانے دھمکانے کا تو ہے ع۱۳۔

اور عجب یہ ہے کہ بعض فضلائے شیعہ نے اس طعن میں بطور ترقی کے ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی زبیرؓ بن عوام بھی منجملہ ان جوانوں بنی ہاشم کے تھے جن کے ڈرانے دھمکانے کو حضرت عمرؓ نے یہ بات کہی تھی۔ کہ بعد اس کے حضرت زہراؑ ان جوانوں بنی ہاشم اور حضرت زبیر کو جواب دیا کہ اب ہمارے گھر میں ایسی مجلس اور مجمع مت کرو ع۱۴

سبحان اللہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ خلافت ابوبکرؓ میں اگر زبیر بن عوام تدبیر فساد ڈالنے کی کریں۔ تو معصوم واجب التعظیم ہوں اور حضرت عثمان کے قصاص چاہتے میں اگر سخت بات منہ سے نکالیں تو واجب القتل اور تعزیر ہوں ع۱۵، اور جو حضرت زہراؑ کے گھر میں بیٹھ کر ایسے ارادے فساد اور صلاحیں فتنہ انگیزی کی کریں وہ تو واجب القبول ہوں اور جب حضور میں حرم محترم حضرت رسول کی اور ہمراہ ان کے ہوں کہ بلا شبہ وہ ام المومنین ہیں دعوائے قصاص یا شکایت عثمانؓ کے قاتلوں کی زبان پر لائیں تو وہ واجب الرد و ازالہ ہوں ع۱۶۔

پس یہ فرق تو مبنی بر اصول شیعہ ہے اور اگر چاہیں کہ اہل سنت کو اپنے طریق پر الزام دیں تو کیوں اتنی دور دوڑتے پھریں۔ بس ایک بات کافی ہے کہ جب گزر ترک جماعت پر کہ سنت موکدہ ہے اور فائدہ اس کا فقط اسی کے واسطے ہے جس پر یہ تکلیف شرعی ہے اور اس کے ترک سے مسلمانوں کو کچھ ضرر نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تہدیداً ان کے گھر جلانے کی فرمائی ہو تو ان گھروں کو

جلانے میں کہ جن میں ایسے مفسدے برپا ہوں جن کا شر تمام مسلمانوں بلکہ تمام
دین کو پہنچے دھمکی دینا کیوں جائز نہ ہوگی صـ۱۷ ۔ اور جب پیغمبر صلے اللہ علیہ
بسبب ہونے پردہ منقش اور تصویروں کے گھر میں حضرت زہراؓ کے نہ گھسے
جب تک وہ دور نہ کر دی جائیں بلکہ خانہ خدا میں نہ جائیں جب تک کہ صورتیں
حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کے وہاں سے نہ نکال ڈالی جائیں ۔ اگر عمرؓ بن خطاب
بھی بسبب ہونے مفسدوں کے اس خانۂ کرامت آشیانہ میں جہاں
فتنہ انگیز تدبیروں کا وقوع معلوم ہوتا تھا وہاں کے لوگوں کو گھر پھونک دینے
کی دھمکی دیں تو کیا گناہ ان کے ذمہ عائد ہوتا ہے صـ۱۸ حد یہ کہ مراعات ادب
مقتضی ایسی دھمکی کی نہ تھی صـ۱۹ لیکن معلوم ہوا کہ رعایت ادب کی ایسے بڑے
کاموں میں کوئی نہیں کرتا بدلیل فعل حضرت امیرؓ یا عائشہؓ صدیقہ کہ بے
شبہ زوجہ محبوبہ رسولؐ اور ماں تمام مسلمانوں کی اور واجب التعظیم تھیں۔
پس جو بات حضرت عمر سے مطابق فعل معصوم کے وقوع میں آئی۔
تو محل طعن و تشنیع کیوں ہوئی صـ۲۰ ۔

(تحفہ اثنا عشریہ اردو صـ۶۰۵ تا صـ۶۰۸)

ہمارا جوابی تبصرہ

اہل جماعت حکومت کے وکلاء میں ہمیشہ جرأت کا فقدان پایا گیا ہے
اہل علم حضرات کو اس امر سے کامل واقفیت ہے کہ فضلائے اہل سنۃ والجماعت
کسی بھی موضوع پر پایہ ثبات پر نہیں ٹھہرتے۔ ہمیشہ دو رخی
پالیسی اختیار کرتے ہیں۔ اور نفس مضمون میں اس قدر الجھ جاتے ہیں۔
کہ ان کو کوئی خبر نہیں رہتی کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ اسی بوکھلاہٹ سے ان

کا حلیف فائدہ اٹھاتا ہے اور میدان میں فتح یاب ہوتا ہے اب
شاہ جی صاحب کا بیان صفائی بعینہ آپ کے سامنے موجود ہے صاحبان
فہم اس مجموعہ تضاد بیانی کو پہلی ہی نگاہ میں بھانپ گئے ہوں گے۔ فن
عدالت و وکالت سے وابستہ اشخاص کو شاہ جی کی قابلیت ولیاقت سے
بخوبی شناسائی ہو چکی ہوگی۔ اندھیر ہے کہ ایک طرف تو شاہ صاحب
نے آتے کے ساتھ ہی اس واقعہ کے انعقاد کا انکار کر دیا اور فوراً بعد اپنی
بات سے پھر گئے ہیں۔ اور اس طعن کو حکومت کا راست اقدام مطابق
سنّت رسولؐ اور جائز و برمحل کارروائی ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا
زور صرف کر دیا ہے۔ ہمیں ہمیشہ سے یہی شکایت رہی ہے کہ ہمارے بزرگ
بھائیو! ایک بات پر اٹل ہو جاؤ۔ دو غلی چالیں نہ چلا کرو یقین محکم کے ساتھ کوئی
فیصلہ کیا کرو اور جو بھی دلیل وضع کرو اس پر قائم رہو۔ بات بات سے نہیں
پھرا کرو۔ یا تو اپنے ان الفاظ کا پاس کرو اور صاف انکار کر دو یہ واقعہ
قصد احراق خانہ بتول سرے سے ہوا ہی نہیں ہے جیسا کہ شروع بات
ہی آپ نے یہ کہی ہے کہ:۔

"یہ قصہ بالکل واہی اور بہتان اور سراسر افترا ہے اس کی کچھ اصل نہیں۔"

لیکن اسی واہیات اور بے اصل قصہ (بزعم شما) کو آپ بعد میں
سنت موکدہ سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ اسے مطابق عمل رسولؐ ثابت
کرنے کے لئے پر تول رہے ہیں۔ اور اسے مبنی برحق قرار دینے کے لیئے
تمام تر زور صرف کر رہے ہیں۔ حالانکہ اگر آپ صاف انکار پر قائم رہیں۔ تو
آپ کے مذہب کا تھوڑا بہت بھرم قائم رہ جائے کیونکہ اس شکل میں
آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ بہتان ہے سراسر افترا ہے حضرت ابوبکر یا حضرت

عمر نے ایسا ہرگز نہیں کیا ہے محض شیعوں کا خود ساختہ طعن ہے لیکن آپ بھی کیا کریں قدرت نے ایسے بند و بست سے آپ کو جکڑ رکھا ہے۔ کہ جدھر نظر اُٹھاتے ہیں، گڑھے ہی گڑھے ہیں۔ اگر انکار کرتے ہیں تو تاریخ و حدیث کی تکذیب ہوتی ہے اگر اقرار کرتے ہیں، واقعہ اس نوعیت کا ہے۔ کہ اس کو قبول کر لینے میں آپ کو اپنی خیر نظر نہیں آتی ہے لہٰذا مخمصہ میں پھنس کر کبھی اس قصّہ کو لغو بے ہودہ قرار دیتے ہیں۔ اور کہیں سُنّت رسُول کی اتباع۔ اگر یہ واہی ہے تو مطابق سُنّت کیسے ہوا! اور اگر مطابق سُنّت ہے پھر آپ خوفزدہ کیوں ہوتے ہیں، کاہے کو کہتے ہیں یہ بہتان اور سراسر افترا ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے سُنّت کا اتباع و قیام تو ایک مستحسن فعل ہے اس قابل ستائش عمل کو مناقب میں لیجئے اور بے دھڑک اس کی تبلیغ کیجئے۔ مگر معاملہ آپ کے ہاں بالکل اُلٹا ہے کہ ایک مسنون فعل کو خواہ مخواہ آپ قصّہ واہی قرار دیکر خدا اور رسُول کی توہین کرنے کے بھی مرتکب ہوتے ہیں۔ (بزعم شما)

خیر یہ بات تو آپ کے سوچنے کی ہے۔ ہم تو تیار ہیں جو داؤ آپ آزمائیں گے مولا مشکل کشا کی استمداد سے اس کا توڑ کریں گے۔ اور نعرہ حیدری کی برکت سے کامران ہوں گے۔ ایک غلط فہمی کو دور کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہم شیعوں کی اکثریت اس بات پر متفق ہے۔ اور یہ فیصلہ محقق ہے کہ سیدہ طاہرہ کے گھر کو نذر آتش کرنے کا ارادہ ہوا تھا۔ اور گھر کو آگ نہیں لگائی گئی تھی۔ لہٰذا ہمارا طعن محض یہی ہے۔ کہ جناب عمر صاحب جس طرح ارادہ قتل رسُول کے لئے برہنہ تلوار ہاتھ میں

لے کر گئے اسی طرح انتظام سرو سامان کر کے خانہ بتولؑ کو خاکستر کرنے کی نیت سے آئے۔ صدمہ اسقاط حمل اس وقت کا موضوع بحث نہیں ہے۔ پھر سہی۔

قصد امور قلبیہ سے ہے۔

واقعہ ارادۂ احراقِ خانۂ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کو افترا و بہتان اور قصّہ واہی قرار دینے کے بعد اصولاً شاہ صاحب کے ذمہ یہ باقی نہیں رہ جاتا ہے اس اقدام کو جائز ثابت کریں۔ لیکن چونکہ اس کا انکار محض زبان سے کر دینا کافی نہیں۔ لہٰذا مجبوراً شاہ صاحب پر اپنے ممدوح کی صفائی پیش کرنا ضروری ہو گیا۔ چنانچہ ان کا خیال ہے کہ حضرت عمر نے محض قصد ہی کیا جیسا کہ تحریر کرتے ہیں۔

"قصد امور قلبیہ سے ہے کہ سوائے خدا تعالیٰ کے اس سے کوئی واقف نہیں ہوتا"

ہم کہتے ہیں کہ بلا شک و شبہ دلوں کے حال اللہ ہی جانتا ہے۔ لیکن عنوانات، پیدا شدہ نتائج یا بر آمدہ حالات اور عمل کا ردِ عمل ایسے محرکات ہوتے ہیں۔ جو معاملہ کی تہ تک پہنچاتے ہیں خصوص امداد کرتے ہیں۔ اور دلوں کے پوشیدہ رازوں کے افشاں کر دینے میں اکثر معاون ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب ہم دلسوز واقعہ قصد احراق خانۂ بنتِ رسُول کے پس منظر اور آئندہ واقعات پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو ہمیں اس کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا ہے کہ یہ کارروائی سخت بدنیتی پر مبنی تھی۔ اور لاکھ دلائل پر بھاری دلیل فاعل کی وہ قسم خدا ہے جو اس نے کھائی جس پر ہم کافی حد تک اپنے

خیالات کا اظہار گذشتہ اوراق میں کر چکے ہیں۔

مسلکِ اہل سُنت کے مطابق حضرت عمر کا تقدس قریب قریب ایسا ہی ہے جیسا کہ ہم شیعہ کسی امام معصوم کی عصمت کے قائل ہیں۔ کوئی سنی المذہب شخص یہ تصور بھی نہیں کر سکتا ہے کہ حضرت عمر اپنی قسم میں جھوٹے ہو سکتے تھے یقیناً ان کا قسم کھانا اس بات کا ٹھوس ثبوت ہے کہ وہ اپنی قسم کو ضرور پورا کرنے کا پکا ارادہ رکھتے تھے۔

زبانی ڈرانا مقصود تھا

جب قصدِ مصمم سے انکار نہیں پڑتا ہے تو نمائندگان جماعت حکومت یہ قیاس پیش کرتے ہیں۔ کہ ارادہ واقعی ایسا ہی تھا مگر اس سے مراد محض دھمکانا تھا جیسا کہ شاہ جی کہتے ہیں۔

"اگر مراد ان کی قصد سے زبانی ڈرانا دھمکانا ہے کہ جلا دوں گا۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دھمکی اور ڈرانے سے ان لوگوں کا ڈرانا منظور تھا۔"

ہم اس مفروضہ کو یہ کہہ کر رد کرتے ہیں کہ اگر یہ محض زبانی دھمکی تھی تو پھر اس کو عملی اشکال میں ظاہر نہ ہونا چاہیئے تھا۔ صرف زبانی کلامی سخت گفتگو تک بات ٹل جاتی مگر افسوس یہ ہے کہ لکڑیوں کا جمع کر کے لانا اور سامان آتش کا بندوبست کرنا اس بات کا حتمی ثبوت ہے کہ ارادہ مضبوط تھا یہ محض اتفاق تھا کہ لوگوں کی غیرت نے توہین خانۂ طہارت کو برداشت نہ کیا۔ اور اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر گھر سے باہر نکل گئے لہذا جب فاعل مذکور کا مقصد پورا ہو گیا تو وہ اپنے اس ارادہ سے باز رہا۔

واپس لوٹ آیا۔ اگر لوگ باہر نہ آتے اور حالات میں مزید تلخی پیدا ہو جاتی تو یہ امر یقینی تھا کہ حضرت عمر مکان کو آگ لگا دیتے کیونکہ وہ قسم کھائے ہوئے تھے۔ پھر یہ کہ اگر بعد میں کسی واقعہ سے کسی بھی معتبر تاریخ سے کسی مصدقہ و موثقہ روایت سے حضرت عمر یا حضرت ابوبکر کی زبان سے یہ ثابت کر دیا جائے کہ وہ دھمکی محض خوف دلانے کے لئے تھی تو ہم اس عذر کو قبول کریں گے حالانکہ ایسی کوئی بات کتابوں میں موجود نہیں سوائے اظہار معذرت کے

اہل بیتؑ، اہل خیانت

جماعت اہل حکومت کے وکیل جھوٹ کو سچ بنانے کی تگ و دو میں اس قدر مدہوش ہو جاتے ہیں کہ انہیں کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ شیعہ دشمنی بغض آلِ رسولؐ اور مذہبی تعصب کے باعث وہ ایسی ایسی باتیں لکھ جاتے ہیں یا کہہ دیتے ہیں جو خود ان کے اختیار کردہ مذہبی عقائد کے خلاف صواعق محرقہ ہوتی ہیں۔ ایسی ہی ایک عبارت جماعتِ سُنیہ کے نامور محدث اور شاہ ولی اللہ جیسے بزرگ کے فرزند ارجمند عبد العزیز دہلوی نے کی ہے اس اقتباس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ناموسِ صحابہ اور توقیر اہل بیت کا جو ڈھنڈورا صدیوں سے اہل سُنت پیٹتے چلے آ رہے ہیں شاہ جی نے اس ڈھول کو اپنی ایک ہی ضرب کاری سے کس طرح پھاڑ دیا ہے شاہ صاحب رقم طراز ہیں کہ۔

"اہل خیانت نے آپ (فاطمہؑ) کے مکان کو امن و پناہ کی جگہ جان کر حکم حرم مکۂ معظمہ کا دیا تھا۔"

واضح ہو کہ جو مذہب تمام اصحابِ رسولؐ کے عادل ہونے کا پرچار کرتا ہے اور آلِ رسولؐ کو محبوب و معزز ماننے کا دعویدار ہے اُسی مذہب کا ایک ذمہ دار محدث اُن صحابہ کو اور تمام بنی ہاشم و اہلبیت کے افراد کو اہل خیانت قرار دیکر اپنے مذہب کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک رہا ہے وہ افراد جن میں حضرت زبیر بن عوام، حضرت علی علیہ السلام سیدہ فاطمہ طاہرہ سلام اللہ علیہا اور خاندانِ نبوی کے تمام افراد شامل تھے۔ شاہ عبدالعزیز ان سب کو اہل خیانت کہہ کر حضرت عمر کی مدح سرائی میں اپنی دیانت داری کا ثبوت دے رہے ہیں۔ پھر بھی ہم سے شکوہ ہے کہ ہم ناموسِ صحابہ سے نابلد ہیں۔ فافہم۔

خانۂ فاطمہؑ کو امن و پناہ کا مکان اور مقام نجات تو خود خدا و رسولؐ نے مقرر فرمایا ہے اور آپ (عبد العزیز) خود اقرار کرتے ہیں کہ حضورؐ نے امت کو ثقلین (قرآن و اہل بیت) کے حوالے کیا تو اگر فرمودہ رسولؐ مکان کو جائے امن و پناہ بنانا ہی خیانت ہے تو یہ خیانت تو خود رسولؐ امین نے سکھائی ہے۔ لہذا ایسا ہی الزام بالواسطہ حضورؐ پر بھی قائم فرمانے کی جرأت کا فراز کر لیجئے۔ ہمیں نہ ہی آپ سے کوئی گلہ ہے اور نہ ہی شکوہ آپ اندھی عقیدت اور بے نور تعصب کا شکار ہو چکے ہیں لہذا یہ قدرتِ خداوندی ہے کہ وہ آپ کو اپنے کھودے ہوئے گڑھوں میں گراتا ہے۔

آپ کے تحریر کردہ ایک ہی جملہ سے آپ کے پورے مذہب کا پردہ چاک ہو جاتا ہے کہ نہ ہی آپ کو عدالت صحابہ اور ناموس دوستانِ رسولؐ سے کوئی سروکار ہے اور نہ ہی اہل بیتؑ سے کوئی واسطہ و تعلق ہے۔ بلکہ دونوں

ہی آپ کے نزدیک اہل خیانت ہیں۔ آپ کے مذہب میں جو کچھ بھی سرمایہ ہے اس کے سارے کھوٹے سکے صرف اور صرف حضرات ابوبکر و عمر و غیرھما کے ٹکسالوں سے اکٹھے کئے گئے ہیں ان کے علاوہ دیگر صحابہ سے محبت محض وقتی مصلحت کے تقاضا کے طور پر بطور نعرہ ہے۔ اور آلؑ پاک سے عقیدت صرف نمود کے لئے ایک سیاسی حربہ ہے۔ ورنہ دراصل آپ کا مذہب صرف محبت شیخان ہے اُن کا ہر فعل آپ کے لئے حجت ہے خواہ وہ مطابقِ سنت ہو یا خلافِ عمل رسولؐ ہو۔ ان کے اعمال کو آپ نے ہر طریقہ پر بچانا ہے خواہ اس کوشش میں انسانیت کے گریبان چاک کر دینے پڑیں۔ میزانِ عدالت کے پلے توڑ دینے پڑیں اور اخلاقیات کی دھجیاں اُڑا دینا پڑ جائے۔ شاید یہی وجہ ہے آپ "عدل" کو اصول ماننے سے کتراتے ہیں، تاکہ من مانے طریقے اختیار کر کے آپ قبیح افعال اور شنیع اعمال کو جامۂ صالحیت پہنا سکیں۔ مگر آپ کا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ قدرت نے حق و باطل اور نیکی و بدی میں امتیاز کو ظاہر کر دیا ہے۔ اللہ کی حجتوں نے اپنے ایثاروں اور قربانیوں سے ہدایت کے ایسے چراغ روشن کر دیئے ہیں جن کو آپ کی پھونکیں کبھی گل نہیں کر سکتی ہیں بلکہ اس کوشش میں آپ ہی کے منہ جل کر روسیاہ ہوں گے۔

حکومت کے خلاف فساد انگیز مشورے

بقول شاہ صاحب اہل خیانت یعنی اصحاب رسول اور اہل بیت نے یہ خیانت کی تھی کہ وہ حضرت ابوبکر کی حکومت کے خلاف مشورے اور صلاحیں

کرتے تھے چنانچہ لکھتے ہیں کہ۔

"وہاں جمع ہو کر خلیفہ اوّل کی خلافت لوٹ پوٹ کرنے کے واسطے صلاحیں اور مشورے فساد انگیز کرتے تھے۔ اور فساد فتنے اُٹھایا چاہتے تھے۔"

میں کہتا ہوں کہ اگر واقعی ایسا تھا تو پھر سب سے پہلی بات یہ ہے کہ یہ اجتماع خلافت اوّل کے انعقاد کو باطل قرار دیتا ہے۔ کیونکہ مسلک سُنیہ کے مطابق خلافت ابوبکر کا نام نہاد اجماع کالعدم قرار پاتا ہے۔ جیسا کہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب شرح وقایہ اردو صہ ۲۷۴ پر لکھا ہے کہ۔

"ایک شخص کا مخالف ہونا بھی مانع انعقاد اجماع ہے" (شرح وقایہ اردو صہ ۲۷۴) اسی طرح ابن تیمیہ نے کتاب الایمان میں تسلیم کیا ہے کہ "جس اجماع میں مومنین میں سے کوئی ایک شخص بھی مخالف نہ ہو تو وہ (اجماع) قطعاً حق ہے" (کتاب الایمان صہ ۵۱)

اسی طرح علامہ ابن حزم لکھتے ہیں کہ۔

"ہر اس اجماع پر اللہ کی لعنت ہے جس سے علی ابن ابی طالب اور ان کے ساتھی صحابی باہر ہوں۔"

(المحلی سفر خامس وسابع مسئلہ نسخ القرعہ صہ ۲۸۶)

علاوہ ازیں ملا معین لاہوری کا فتویٰ ہے کہ:۔

"اہل بیتؑ کی مخالفت موجود ہو تو کوئی اجماع نہیں" (دراسات اللبیب صہ ۲۴۹)

پس چونکہ اجماع انعقاد خلافت ابوبکر میں ایک جماعت صحابہ کی اور خاندان بنی ہاشم و اہل بیتؑ رسولؐ کی مخالفت بقول شما ثابت ہو رہی ہے

لہٰذا آپ کے خلیفہ اوّل کی خلافت غیر اجماعی اور باطل قرار پائی۔ پس امر باطل کے خلاف عادل افراد کی سعی نہی عن المنکر کے شرعی حکم میں داخل ہوئی اور جہاد قرار پائی۔ نہ کہ فساد۔ اب چونکہ یہ مشورے ایک غاصب حکومت کے خلاف تھے اس لئے ان صلاح و مشوروں کو فتنہ کی سرکوبی کی کوشش کہا جائے گا۔ جب تک خلیفہ صاحب کی خلافت مبنی بر عدل ثابت نہ ہو جائے۔ (جو بر بنائے اصول سنیہ ممکن نہیں کیونکہ اہل بیت کے بغیر اجماع صحیح نہیں ہوتا) اس وقت تک کسی مخالف پر فساد یا فتنے کا الزام قوانین اسلامیہ کے مطابق عاید نہیں کیا جا سکتا ہے ہاں اگر خلافت زیر بحث حقیقتاً اجماعی ہوتی ہے تو پھر مسلک سُنیہ کے بموجب ایسے افراد قابل تعزیر ہوتے جو اس اجماعی خلیفہ کے خلاف مجلس مشاورت منعقد کرتے جبکہ ایسا ہرگز نہ ہوا۔ بلکہ صحیح صورت اس طرح ہے کہ ایک غاصب حکمران کیخلاف احتجاجی جماعت پر طاقت کا غلط استعمال کیا گیا اور بزور شمشیر اُن کی آزادی رائے کو دبا کر اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کی گئی۔ بالفاظ دیگر آمریت و استبدادیت کی بندوق کی گولی شہ رگ پر رکھ کر اپنی اطاعت کا پروانہ لکھوانا چاہا۔

مندرجہ صدر بحث مذہبی و فقہی بنیادوں پر ہے۔ اب دوسری جہت سے دیکھئے کہ سازش و حکومت کے خلاف کارروائیاں ہمیشہ خفیہ کی جاتی ہیں۔ جس طرح کہ تھوڑی دیر قبل لوگوں نے مدینہ سے دور جا کر ایک سقیفہ بنی ساعدہ میں حکومت کی باگ ڈور تھامنے کا اہتمام کر لیا۔ یہ نہیں ہوتا ہے کہ ایسی سکیمیں علانیہ بنائی جائیں۔ فاطمہ زہراؑ کا گھر مسجد ہی میں تھا اور وہی مسجد اس وقت کا شاہی دربار سمجھی جاتی تھی۔ لہٰذا سوچنا پڑے گا کہ کیا

ایسی جگہ سازش کے لئے موزوں بھی تھی یا نہ!

دوم یہ کہ اگر وہ لوگ خلافت کا تختہ الٹنے کی تدبیریں بنا رہے تھے اور فساد و شرانگیزی برپا کرنا چاہتے تھے تو کیا حکومت وقت کے پاس ایسا کافی مواد موجود تھا۔ جو یہ بات ثابت کر سکے۔ اگر حکومت کی خبر رسانی معتبر تھی اور ان کے پاس ٹھوس اثبات اس بغاوت کے تھے تو پھر جواب دیا جائے کہ اس جماعت پر باغیانہ سرگرمیوں کا الزام عاید کر کے مقدمہ کیوں نہ چلایا گیا اور ان میں سے بعض کو بیعت لینے پر ہی کیوں کر دیا گیا۔ بغاوت کی تفصیلات کی آگاہی درکار ہے۔

اور اگر بات صرف اتنا تھی کہ ان بیچاروں نے حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ تو یہ ان کا جمہوری و دستوری حق تھا۔ آپ آئین اسلام یا کسی اور ضابطہ قانون کے تحت کسی سے جبری بیعت کا مطالبہ نہیں کر سکتے ہیں جبکہ مطالبہ کرنا تو درکنار آپ نے گھر کو پھونک دینے کی ٹھان لی۔

حضرت فاطمہؑ ان اجتماعات سے ناخوش تھیں

شاہ صاحب کا خیال یہ ہے کہ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا صلواۃ اللہ علیہا ان اجتماعات پر ناخوش تھی جو ان کے گھر میں منعقد ہوئے۔

جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کہ:۔

"حضرت زہراؑ بھی ان کی نشست برخاست سے مکدر و ناخوش تھیں"

ہم یہاں صرف اتنی بات دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کیا حکومتِ وقت کو بھی یہ معلوم تھا کہ بی بیؑ پاک کی دلی مرضی کے خلاف یہ اجتماعات ہوتے ہیں۔

اگر حکومت یہ جانتی تھی کہ مالکہ مکان بے قصور ہیں اور یہ مجمعے ان کی خواہش کے مطابق نہیں ہوتے ہیں تو پھر حکومت پر یہ جرم قصد [illegible] اور بھی مضبوط ہو جاتا ہے کہ ایسے گھر کو جلانے کی دھمکی دی گئی جس کے بارے میں مکمل معلومات حاصل تھیں۔ کہ اس کے مکین حکومت کے وفادار ہیں۔ بے گناہ ہیں۔ ایسے گھر کو پھونکنے کا سامان کرنا بالکل بے مقصد تھا۔ محض معمولی سا تشدد کافی ہوتا نہ لکڑیاں جمع کرنے کی ضرورت تھی اور نہ ہی خدا کی قسم کھانے کی۔ دبدبہ عمر یہ کافی ہو سکتا تھا۔ اور گھی سیدھی انگلی سے نکل سکتا تھا۔

سیدہؑ نے اخلاقاً لوگوں کو نہ روکا

شاہ جی کا یہ بھی خیال خام ہے کہ سیدہ زہراؑ نے اخلاقاً یہ گوارہ نہ فرمایا کہ لوگوں پر اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیتیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ:۔

"لیکن بسبب حسن خلق کے ظاہراً ان سے نہیں فرماتی تھیں کہ ہمارے گھر مت آؤ"

میرا جواب یہ ہے کہ جو فعل اس قدر ضروری و اہم ہو کہ اس کے لئے تخویف ضروری ہو اور نوبت دھمکی احراق تک بھی اگر آجائے تو مستحسن ہو تو ایسے مقتدر امر پر سیدہؑ کی اخلاقی خاموشی کا جواز تلاش کرنا بے وقعت محض ہے اگر سیدہؑ خلافت سقیفہ سے متفق تھیں۔ اور حضرت ابوبکر کو جائز امام سمجھتی تھیں تو ان کا یہ سکوت قابل اعتراض ہوگا۔ معاذ اللہ یہ فعل معصومہ خلاف حق ہوگا۔ اور امر باطل کی پشت پناہی کے مترادف قرار پائے گا۔ کیونکہ امر باطل پر خاموش رہنا اور اصلاح نہ کرنا شرعاً مذموم ہے اور حکم قرآن امر بالمعروف اور

نہی عن المنکر کے سراسر منافی ہے جبکہ کسی قسم کا خطرہ بھی موجود نہیں ہے۔ اب یا تو اس مفروضہ کی بنا پر سیدہؑ کی اس خاموشی کو شریعت کے خلاف ایک گناہ تصور کیجئے۔ یا پھر حضرت ابوبکر کی خلافت کو امرِ حق تسلیم کرنے کو بلا جواز مان لیجئے اگر اول الذکر شق قابل قبول ہے تو براہ مہربانی کسی معتبر کتاب سے باسناد صحیح ثابت کیجئے۔ کہ حضرت سیدہؑ نے کوئی ایسا ارشاد فرمایا ہو کہ مجھے یہ حاضری پسند نہ تھی۔ اور میں حضرت ابوبکر کی خلافت کو صحیح سمجھتی تھی۔ نیز یہ بھی سمجھا دیجئے۔ کہ اگر سیدہ فاطمہؑ کی مرضی کے خلاف لوگ جمع ہوتے تھے۔ اور وہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر پر راضی تھیں تو پھر محض بناوٹی دھمکی پر آپ غضبناک کیوں ہو گئیں۔ آپؑ نے کیوں فرمایا کہ میں ہر نماز کے بعد بددعا کروں گی۔ اور جب شیخین و سیدہؑ میں کوئی نزاع و اختلاف ہی نہ تھا تو پھر خلیفتین نے معافی مانگنے کے لیے حاضری کیوں دی اور یہ کیوں ظاہر نہ کر دیا کہ یہ محض جھوٹ موٹ کا ڈراوا تھا۔

اور اگر بالفرض خیال شق دوم منظور ہو جائے تو نعرۂ یا علیؑ بلند کر کے غاصب حکومت سے میری طرح بیزاری اختیار کر لیجئے کہ یہی مسلک شیعہ ہے۔

حضرت عمر نے اس گروہ کو دھمکا کر کہا تھا

شاہ جی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے جب یہ حال دیکھا کہ سیدہؑ بھی ان اجتماعات پر دلی طور پر راضی نہیں ہیں۔ تو انہوں نے (عمر) نے ان لوگوں کو محض دھمکی دی۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"عمرؓ بن خطاب نے جب یہ حال دیکھا تو اس گروہ سے دھمکا کر کہا کہ میں اس گھر کو تم پر جلا دوں گا کہ پھر نہ آنے جانے پاؤ"، ہم کہتے کہ یہ بات خلاف واقعہ ہے اگر محض اتنی بات ہوتی تو شاید ہماری حیرت کا سامان نہ بنتی مگر افسوس یہ ہے کہ تاریخ میں وہ گستاخانہ گفتگو بھی محفوظ ہے جو حضرت عمر اور سیدہ طاہرہؑ کے درمیان ہوئی اور انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم میں اس گھر کو پھونک دوں گا۔ جبکہ اُن سے پوچھا گیا کہ اس میں تو فاطمہؑ بھی ہیں تو انہوں نے جواباً کہا کہ ہوتی ہیں تو ہوتی رہیں۔ مجھے ان کی کوئی پرواہ نہیں ہے بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ خود سیدہؑ نے فرمایا کہ اے ابن خطاب تو میرے گھر کو جلا دے گا۔ تو حضرت عمر نے بڑی نخوت سے جواب دیا کہ ہاں جب پورا واقعہ زیر مطالعہ آتا ہے تو کوئی بچہ بھی یہ نہیں کہ سکتا ہے کہ یہ محض مصنوعی دھمکی تھی جبکہ خطاب براہِ راست سیدہؑ سے بھی ہے۔

شاہ جی سے تو میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ اگر سیدہؑ اس واقعہ میں کردار نہیں ہیں اور یہ دھمکی اُن سے متعلق نہیں تو خدا کے لئے مجھے اتنا بتا دیجئے کہ آپ کو جنگ جمل میں بی بی عائشہ کی کہانی کیوں یاد آ گئی ہے اور آپ نے اپنے قلم کا زور بیکار کیوں لگایا ہے۔

پھر یہ کہ جو فقرہ شاہ صاحب نے حضرت عمر سے منسوب کیا ہے یہ فقرہ روایت لفظی یا روایت معنوی کسی بھی طرز پر کسی معتبر تاریخ میں مذکور نہیں ہے۔ یہ صرف شاہ صاحب کا اپنا خیال ہے جو حجت نہیں ہو سکتا۔ تاریخی حقائق محض ظنی بنیادوں پر نہیں بدلے جا سکتے ہیں۔ اگر اپنے خیالات کے سانچے میں تاریخی واقعات کو ڈھال لیا جائے تو پھر فن تاریخ نویسی خیر

معتبر قرار پا جاتا ہے اور ہر کوئی اپنے اپنے عقائد کے مطابق حالات بنا کر اپنے اپنے نظریات دنیا کے سامنے پیش کر سکتا ہے اور خود ساختہ یا نیا سی توضیحات کے ذریعے اپنے مطالب ثابت کر سکتا ہے۔

پس چونکہ وکیل صاحب کی بنیاد ہی محض ظنی ہے اس لئے اس پر مزید بحث فضول ہے اور جب تک اس کی حمایت میں کوئی مستند شہادت پیش نہ کی جائے یہ دلیل قابل قبول نہیں ہو سکتی ہے کہ حضرت عمر نے ایسی دھمکی صرف لوگوں کو خوفزدہ کرنے کے لئے دی حالانکہ تاریخی شواہد اس کے خلاف ہیں۔

تہدید احراق موافق حدیث ہے۔

قابل افسوس امر یہ ہے کہ ایک طرف شاہ صاحب اس واقعہ کو واہیات بنا رہے ہیں تو دوسری طرف اسی امر واہیہ کو حدیث پیغمبرؐ سے مستنبط کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ

"اور خصوصیت جلانے کی تہدید میں موافق حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے اور اس سے مستنبط ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو جو جماعت میں حاضر نہ ہوتے تھے، اور امام کے پیچھے نماز نہ پڑھتے تھے۔ ایسا ہی ارشاد فرمایا تھا، کہ اگر یہ گروہ ترک نماز سے باز نہ آئے تو انکا گھر ان پر پھونک دوں گا۔ اور چونکہ ابوبکر بھی امام نماز مقرر کیے ہوئے حضرت پیغمبر کے اور وہ لوگ ان کی امامت بھی کو ترک کرنا تجویز کرتے تھے اور رفاقت جماعت مسلمانوں کی اس امر میں نہیں کرتے تھے پس یہ قول حضرت عمر رضا کا بھی مشابہ قول پیغمبر کے ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔"

اول جوابی گذارش یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ کا یہ فعل مطابق فعل رسولؐ ہے اور قول عمر مثل قول پیغمبرؐ ہے تو پھر آپ نے اسے "واہی" "بہتان" "سراسر افترا" "کچھ اصل نہیں" کہہ کر کیوں ٹھکرا دیا۔ کیا سنت رسولؐ کا اعزاز ایسے الفاظ کا متحمل ہو سکتا ہے؟ اگر بزعم شما یہ سنت کی پیروی تھی تو پھر آخر سنت رسولؐ کی اتباع کرنے کو آپ نے مذموم معنی الفاظ سے کیوں بے اصل و واہیات قرار دیا اور عمل حسن کو فعل قبیح کیوں بنا دیا۔

اب دوسری طرف آئیے کہ کیا آپ کی وضع کردہ مماثلت کچھ اصل بھی رکھتی ہے یا محض دنیا کو فریب دینے کی خاطر آپ نے محض اپنے ممدوح کی حفاظت کے لئے یہ بہتان تراش لینے میں اپنا بھلا خیال کیا ہے تو ہماری عرض یہ ہے کہ نماز فروع دین ہے اور ارکان اسلام میں داخل ہے افضل العبادات ہے۔ اور دین کا ستون ہے بلکہ درحقیقت تنظیم اسلام نماز ہی سے وابستہ و پیوستہ ہے اور حکم شریعت کے مطابق والدین کو نابالغ و کم سمجھ اولاد تک پر اس کے قیام کی خاطر سختی کرنا اور دباؤ ڈالنا جائز ہے لہذا ایسے عمل مقتدر کے لیئے اگر حضورؐ نے لوگوں کو تخویف سے ترک نماز سے روکا تو یہ عمل نہ ہی قابل اعتراض ہے اور نہ ہی مذموم کیوں کہ آنحضرتؐ نے نہ ہی قسم کھائی اور نہ ہی آگ لگانے کا سامان اکٹھا کر کے کسی کے گھر پہنچے حضورؐ کے اس عمل سے صرف اتنا استدلال لیا جا سکتا ہے کہ فرائض واجبات کی پابندی کرانے کے لیئے ڈرانا دھمکانا جائز ہوگا۔ اور اس بات پر پوری ملت اسلامیہ کا اتفاق ہے یہی قرآنی تعلیم کا طریقہ ہے کہ بداعمالی پر جہنم کا خوف دلایا گیا ہے اور نیک عمل پر جنت کا انعام دینے کا وعدہ کیا گیا ہے۔

لیکن اس واقعہ کی آڑ لے کر کوئی بھی دانش مند شخص اس بات سے اتفاق نہ کرے گا کہ ایک جابر حکمران اپنی اطاعت منوانے کی خاطر لوگوں کے گھر آتش گیر مادے لے کر پہنچ جائے اور کہنا شروع کر دے کہ ہماری حکومت مان جاؤ ورنہ گھر کو آگ لگا دی جائے گی اگر حکومت کسی رکن اسلام کی خاطر ایسی کارروائی کر لیتی تو بات دوسری ہوتی مگر پھر بھی ایسی دھمکی محض تخویف تک رہنا چاہیئے اس میں مصمم ارادہ اور سامان سے لیس کی گنجائش نہیں ہونی چاہیئے۔ آج تک کسی شخص نے یہ دعویٰ نہیں کیا ہے۔ کہ متخلفین بیعت سقیفہ نے کسی اسلامی فرض میں کوتاہی کی تھی لہذا اس وجہ سے بیعت تیول پر آگ روشن کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی حضرت ابوبکر کی بیعت خود حضرت عمر کے قول کے مطابق ایک شر تھا جس کے فتنہ سے اللہ نے محفوظ رکھا اس بیعت کی قباحت کے لیے حضرت عمر کا یہ فرمان کافی ہے کہ اگر آئندہ کوئی ایسے کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے پس جب یہ عمل ایسا ناپسندیدہ و ناجائز ہو کر خود اس کے عامل اس کے اعادہ پر جان تلفی کا حکم دیں۔ اسے نماز جیسے عماد الدین رکن سے کوئی مماثلت نہیں ہو سکتی ہے جب موقع محل و مقام اور نفس مضمون ہی میں مماثلت نہ ہو تو ایسی مثال کبھی مدلل قرار نہیں پاسکتی ہے۔ حضورؐ کا دھمکانا امر خیر کے لیئے تھا اور حضرت عمر کی یہ کارروائی ان کے اپنے اقرار کے مطابق امر باطل موجب شر اور مطالبہ ناجائز کے لیے تھی پس دونوں واقعات میں اتنا فرق ہے کہ جتنا حق و باطل میں ہوتا ہے۔

حضرت ابوبکر کا امام نماز مقرر ہونا متنازعہ مسئلہ ہے اور اس موضوع میں ہم اس بحث کو نہیں چھیڑنا چاہتے البتہ شاہ صاحب کا یہ فرمانا کہ لوگوں

نے ان کی امامت بحق کو ترک کرنے کی تجویزیں کیں۔ کسی مستند حوالہ سے ثابت نہیں ہے کہ اس گروہ نے نماز باجماعت ادا کرنے کا انکار کیا ہو۔ اگر کوئی بھی شخص کسی معتبر کتاب سے باسناد صحیحہ ثقہ رواۃ کے ساتھ ایسا ثبوت فراہم کرے کہ سیدہؑ کے گھر میں جمع ہونے والے افراد صحابہ بنی ہاشم و آل رسول نے نماز باجماعت ترک کر دی یا حضرت ابوبکر و عمر نے ایسا الزام اُن پر عائد کیا تو اسے ایک لاکھ روپیہ نقد انعام دیا جائے گا۔ اگر امامت سے مراد امارت سمجھی جائے تو اس کے ترک کرنے کا سوال تبھی پیدا ہوگا۔ جب اس امامت کی بیعت ثابت ہو جائے جو کہ امر محال ہے کیونکہ مطالبہ بیعت ہی وہ محرک تھا جو اس واقعۂ دلسوز کی بنیاد ہوا۔

کسی امر باطل پر دیگر مسلمانوں کی رفاقت کرنا ضروری نہیں ہے لہذا ایک ناجائز رفاقت کے مطالبہ کو منوانے کی خاطر ایسی سنگین کارروائی ہرگز مستحسن قرار نہیں پاسکتی ہے۔ قول پیغمبرؐ قیام حق کی خاطر ہے اور قول عمر استحکام باطل کے لئے ہے لہذا دونوں اقوال میں ہرگز مشابہت نہیں ہوتی ہے اور ان میں وہی فرق ہے جو حق و باطل میں ہوا کرتا ہے پس تہدید احراق ہرگز مطابق حدیث ثابت نہیں ہوتی ہے۔

واقعۂ ابن اخطل سے استدلال

شاہ صاحب نے اس واقعہ کے جواز میں شاعر بدگو ابن اخطل کے حکم قتل منجانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی استدلال بنایا ہے اور لکھتے ہیں کہ اس کے علاوہ فتح مکہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور عرض

کہا گیا کہ ابن اخطل جو شعرائے کفار سے تھا اور بارہا اپنے شعروں میں ہجو آپ کی لکھ کر اپنا منہ کالا کرتا رہا تھا خانہ کعبہ میں جا کر اس کے پردوں میں جہاں تجلی کا آشیانہ ہے چھپا ہے اس کے مقدمہ میں کیا حکم ہے فرمایا کہ اس کو وہیں مار ڈالو۔ اور پاس کچھ کسی بات کا نہ کرو جب ایسے مردود دین جناب الٰہی کو خانہ خدا میں پناہ نہ ہو تو حضرت زہراؑ کے گھر میں کیوں پناہ ملنا چاہیئے۔"

شاہ صاحب مخمصہ میں پھنس کر بالکل بوکھلاہٹ میں ہیں۔ ان کو نہ آداب آگہی کی ہوش ہے اور نہ ہی اپنے عقائد کا پاس ہے۔ حواس باختگی میں جو منہ میں آ رہا ہے ہانکے جا رہے ہیں اصحاب رسول جن کو نجوم ہدایت کہا جاتے اور بکلہم عدول کے مصداق اعتقاد کیا جائے اگر مرضی ہو تو موقع کی مناسبت سے ان کو مردود دین جناب الٰہی بھی کہہ دینا سنیوں کے ہاں سعادت مندی ہے۔ کہاں ابن اخطل ملعون کہ گستاخ دین کا دنیا و آخرت میں منہ کالا ہوا۔ شاہ صاحب صحابہ رسول، بنی ہاشم اور اہل بیت کو اس مردود و ملعون کے ساتھ متشابہ قرار دیکر اپنا منہ کالا کر رہے ہیں۔

واضح ہو کہ حضرت فاطمہؑ کے گھر میں موجود افراد میں حضرت علیؑ تمام بنی ہاشم، اکابر صحابہ مثل حضرت زبیر بن عوامؓ مقداد بن عمرؓ سلمان فارسیؓ، عمار یاسرؓ، براء بن عازب اور ابوذر غفاریؓ وغیرہم بھی شامل تھے جن سب کو شاہ صاحب ابن اخطل جیسے گستاخ رسول سے تشبیہ دیکر دین و دنیا کی رسوائی خرید رہے ہیں خیر اس توہین کی سزا یا جزا ان کو بارگاہ خدا و رسولؐ سے اچھی یا بری ضرور مل رہی ہوگی۔

بہر کیف یہ استدلال بھی شاہ صاحب کے لئے مفید نہیں ہے۔ کہ

حضورؐ کا حکم ایک شریر گستاخ نبیؐ کے قتل کے لئے تھا نہ کہ خانہ خدا کو آگ لگا دینے سے متعلق تک۔ جب گروہ زیر سایہ خانہ بتول میں تمام افراد یا تو صحابہ کی جماعت سے تعلق رکھتے یا پھر خاندان رسولؐ کے افراد تھے۔ اور انہوں نے نہ ہی شان رسولؐ میں کوئی گستاخی کی تھی اور نہ ہی کوئی اور ایسا سنگین جرم کیا کہ واجب القتل ٹھہرتے غالباً شاہ صاحب کو روز فتح مکہ سرکار کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ فراخدلانہ اور رحمدلانہ حکم یاد نہیں کہ آپ نے ہدایت فرمائی کہ کفار میں سے کسی پر تشدد نہ کیا جائے اور جو لوگ ابوسفیان کے گھر میں آ جائیں ان کو پناہ دی جائے۔

تحفظ ناموس رسولؐ واجبات میں داخل ہے اور حضورؐ کی شان اقدس میں گستاخی جرم کبیرہ ہے لہٰذا اس کے مرتکب کو کیفر کردار پہ پہنچانے کی خاطر اگر ایسا قدم اٹھا لیا جائے تو بات دوسری ہے لیکن محض کسی کی آزادئ رائے کو چھیننے کی خاطر اُسے غلام بنانے کے لئے اس قسم کا جواز بنایا ہو تو اُسے واقعہ مذکورہ سے منطبق کرنا جاہلانہ کارستانی ہوگی۔ پس ابن اخطل کے واقعہ کو اس سانحہ سے کوئی تطبیق حاصل نہیں ہے اور ایسا استدلال غیر معقول اور بے جا ہے۔

سیدہؑ اس جماعت کو سزا دینے سے مکدر نہ تھیں۔

جھوٹ کے پیر نہیں ہوتے ہیں۔ اس کا حافظہ بھی کمزور ہوا کرتا ہے چونکہ شاہ صاحب بھی اپنی وکالت جھوٹی اساسوں پر کر رہے ہیں لہٰذا ان کی یاد داشت کھو گئی ہے پہلے انہوں نے کہا ہے کہ سیدہ طاہرہؑ بسبب کمال حسن خلق اُن لوگوں کو اپنے گھر میں آنے سے منع نہ فرماتی تھیں۔ لیکن اب فرماتے ہیں۔ کہ

نہیں سیّدہ بھی ان لوگوں کو اس اجتماع سے روکتی تھیں۔ اب اللہ جانے شاہ جی کی نظر میں صحیح بات پہلی ہے یا بعد والی۔ میں تو یہی کہوں گا۔ تضاد بیانی موقف کے لئے زہر قاتل ہوتی ہے مگر کیا کروں ارباب اہل سُنت والجماعت کے دفتر ہی تضادات کا مجموعہ ہیں اور یہ عادت اب ان کی فطرت بن چکی ہے جس کا بدلنا انسانی لباط سے باہر ہے خیر شاہ صاحب کی کلام ملاحظہ فرمائیے۔

"حضرت زہراؑ ایسے شریروں مفسدوں کے سزا دینے سے کب منکر ہوں گی کہ تخلقو باخلاق اللہ خدا کی عادتوں کے موافق عادت اختیار کرو۔ آپؑ کی طینت پاک کا شیوہ تھا اس کے ساتھ ہی صحیح خبروں سے ثابت ہے کہ حضرت زہراؑ بھی ان لوگوں کو اس جہاد سے منع کرتی تھیں"

یہاں یہ سوال کروں گا۔ جب مجمع اصحاب واہل بیت جو زیر سایہ پناہ سیّدہؑ مشاورت میں مصروف رہتا تھا۔ ان کی یہ مجلس سیدہؑ کے دلی ارادہ کے خلاف تھی بلکہ سیدہؑ کو اس میں کوئی اعتراض بھی نہ تھا کہ اُن کو اس نام نہاد شرارت کی سزا مل جاتی تو انہوں نے براہِ راست حکومت کو کیوں نہ کہہ دیا جبکہ آپ کے بقول آپؑ ان کو اس کام سے منع بھی فرمایا کرتی تھیں اور اُن لوگوں کے دقوف عقل کو کیا ہو گیا کہ اس قدر بڑی سازش جو سراسر خطرات کا مجموعہ تھی۔ ایسی جگہ پر کرنے کے لئے جمع ہو گئے جہاں کے مکین اُن کے ہم خیال نہیں بلکہ مخالف تھے ظاہر ہے کہ سیدہؑ کی مخالفت اس امر کا بین ثبوت تھا کہ یہ گھر ان کے عزائم کے لئے خطرات ومشکلات کا گھر ثابت ہوتا۔ مگر وہ بھی اپنی شرارت اور سکیم فساد کو وہاں پروان چڑھانے کے لئے آتے ہیں۔ چلئے ان لوگوں کی عقل موقوف ہو چکی تھی۔ تو سیدہؑ کی ممانعت فرمانے سے اُن پر یہ اظہار ہو گیا تھا

کہ آپؑ اُن کی حامئی کار بننا پسند نہیں فرماتی ہیں پھر اخلاقی جواز برقرار نہ رہا۔ لہذا وہ خود ہی حکومت کو خبردار کر دیتیں کہ اس باغی گروہ کو قابو میں کیا جائے۔ لیکن تاریخ ایسی صحیح خبر فراہم کرنے سے عاجز ہے کہ سیدہؑ نے حکومت کو اس قسم کی کوئی خبر دی ہو یا اُن آدمیوں کو اس بات سے منع فرمایا ہو اگر کوئی ایسا منصوبہ ہوتا جو زمرۂ شرارت یا فساد میں آسکتا تو یقیناً سیدہؑ اپنی دینی ذمہ داری پورا کرتیں اور اس گروہ کو سختی سے اس عزم سے روکنے کی تدابیر اختیار فرمائیں۔

کسی شریر و مُفسد کی پشت پناہی کرنا بذاتہ فعل قبیح ہے اور چونکہ شاہ صاحب کے بقول سیّدہؑ کی پاک طینت خدا کی عادتوں کے موافق عادت اختیار کرنے والی تھی اس لئے یہ ماننا پڑے گا۔ کہ وہی۔ جو صحابہ اور افرادِ خانوادۂ رسولؐ جمع تھے ان کے عزائم ہرگز شریرانہ مفسدانہ نہ تھے ورنہ اس خانہ ہدایت وطہارت میں انہیں مطلق پناہ نہ ملتی بلکہ وہ مجلسیں ایک فلتتہ کے خلاف منعقد ہوئیں تھیں جو اس قدر گھناؤنا تھا کہ حضرت عمر نے کہا کہ اگر آئندہ کوئی۔ ایسا کرے تو اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔

سیّدہ طاہرہؑ کا رنجیدہ خاطر ہونا تاریخی دلائل سے مکمل طور پر ثابت ہے اور یہ رنج اسی قدر شدید تھا کہ بی بیؑ پاک نے ساری عمر اپنے موذیوں سے کلام کرنا گوارہ نہ فرمایا حالانکہ اُن لوگوں نے لاکھ اپنی معافی پیش خدمت کی مگر بضعۃ الرسول کا رنج دور نہ ہوا اور آپؑ ہر نماز میں اُن کو بد دعا دیتی رہیں بمصوبہ کا انعقادِ مجالس سے منع نہ فرمانا اور حکومت کی حمایت کرنا کسی طرح بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے اگر بی بیؑ پاک اس نام نہاد خلافت پر راضی ہوتیں تو ہرگز

ہرگز حضرت علیؑ کو قتل کرنے کی سازش نہ بنائی جاتی۔ ان کے گلے میں رسی نہ ڈالی جاتی۔ آپؑ گوشہ نشینی پر مجبور نہ ہوتے اور نہ ہی ان سے زبردستی بیعت حاصل کرنے کی سعی نامشکور کی جاتی۔

پس شاہ جی کا یہ زعم کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو ایسی کارروائی کا کوئی رنج نہ تھا بالکل بے ثبوت اور سافت ہے ورنہ وہ کسی ایک ہی خبر صحیح سے یہ ثابت کردیں کہ سیدہ اس کارروائی پر خوش ہوگئیں۔ ورنہ مکابرانہ کج بحثی اُن کے لیے مفید ثابت نہیں ہوسکتی ہے سیدہ کا رنج و ناراضگی کتب تاریخ و حدیث سے مکمل طور پر ثابت ہے جس پر مفصل بحث ہم گذشتہ اوراق میں کرچکے ہیں۔

قولِ عمرؓ فعلِ امیرؑ سے گھٹ کر ہے۔

جب جماعت اہل حکومتِ سقیفہ کے لئے دیگر تمام راہیں مسدود ہو جاتی ہیں تو اُن کو ایک ہی راستہ سوجھتا ہے کہ وہ جنگِ جمل میں حضرت عائشہ کے حالات کو واقعہ قصدِ احراق خانہ سیدہ صدیقۃ العالمین صلوٰۃ اللہ علیہا کے مقابلے میں پیش کرتے ہیں اور عذر وضع کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ کے ساتھ جو سلوک حضرت علیؑ نے کیا وہ حضرت عمر کے اس کام سے بڑھا ہوا ہے۔ لہذا اگر علیؑ اس واقعہ میں بے قصور ہیں تو پھر حضرت عمر اس سے کمتر فعل میں خطاوار کیوں ہیں۔ چنانچہ شاہ صاحب نے بھی اس توضیح کو دلیل بنایا ہے اور لکھتے ہیں، کہ

"نیز قول حضرت عمرؓ کا اس موقعہ پر حضرت امیرؑ کے فعل سے بہت گھٹ کر

ہے کہ جب بعد شہید ہونے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آپ کی خلافت ٹھہری کہ جو لوگ کہ ارادہ برہم کرنے اس منصب عظیم کا دل میں رکھتے تھے مدینہ سے نکل کر مکہ کو دوڑے اور پناہ سایہ حرم محترم رسول یعنے ام المومنین عائشہ صدیقہ میں داخل ہوکر دعویٰ قصاص عثمان کا ان کے قاتلوں سے کرکے آمادہ جنگ و پیکار ہوئے تھے۔ حضرت امیرؓ نے ان کو قتل کیا اور کچھ پاس حرم محترم رسول اور رعایت ادب اپنی ماں اور اُم المومنین کا جو بموجب نص قرآن کے ہے نہ فرمایا ہر چند جیسے کچھ ذلت واہانت اور آسیب و صدمہ حرم محترم رسول نے اُٹھایا اظہر من الشمس ہے۔ اور واقعی حضرت امیرؓ نے جو کیا نہایت نیک اور خاص الخاص حق تھا کیونکہ ایسے بڑے کاموں میں جس میں فتنہ اور فساد عام ہو جزئی مصلحتوں کی رعایت کرکے اس کے مقدموں اور مبادی کو چھوڑ دینا اور تدارک نہ کرنا کمال بے انتظامی امور دین و دنیا کی ہے پس جیسا کہ گھر حضرت زہراؓ کا واجب التعظیم اور احترام تھا۔ اُم المومنین اور حرم محترم اور زوجہ محبوبہ ان کی محبوب الٰہی تھی یہ بھی واجب التعظیم واحترام تھا بلکہ عمرؓ سے صرف قولی اور تخویف واسطے ڈرانے دھمکانے کے وقوع میں آئی اور حضرت امیرؓ نے تو اس فعل کو بھی حد درجہ کو پہنچا دیا پس اس مقام پر زبان طعن کی حضرت عمرؓ پر بڑھا دینا حالانکہ ان کا قول فعل حضرت امیرؓ سے بدرجہا گھٹا ہوا ہے سوائے تعصب وعناد کے اور بنیاد اس کی کیا ہے۔"

کسی فعل کی خوبی و بُرائی، حسن و قبح کی جانچ پڑتال کرنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس کے وقوع پذیر ہونے کے وجوہات واسباب پر نظر رکھی جائے۔ نیز عمل کی کارکردگی کو ملحوظ رکھا جائے اور برآمد شدہ نتائج پر غور کیا جائے۔ مثلاً

ایک شخص جہاد میں مقاتلہ کرتا ہے اور دشمن کے کئی افراد کو تہ تیغ کر کے واصل جہنم کر دیتا ہے تو اس کا یہ مقاتلہ جہاد کہلائے گا۔ اسی طرح کوئی آدمی بازار میں لوٹ مار مچانے کی خاطر چار پانچ آدمیوں کو گھائل کرتا ہے تو اس کا یہ مقاتلہ کبھی جہاد نہ کہلائے گا۔ حالانکہ دونوں مقامات پر مقاتلہ عمل مشترک ہے مگر اوّل الذکر مقام پر باعث ثواب ہے اور مؤخر الذکر جگہ پر قابل عذاب و سزا ہے۔

اسی اصول کے مطابق ہم جب واقعہ جمل اور واقعہ احراق کا موازنہ کرتے ہیں تو دونوں کی نوعیت اور باہمی فرق صاف ظاہر و واضح ہو جاتا ہے حضرت عمر نے محض زبردستی بیعت کے حصول کے لئے یہ کارروائی کی جبکہ حضرت علی علیہ السلام کی سیرت طیبہ میں کوئی ایک بھی ایسا واقعہ نہیں مل پاتا ہے کہ آپ نے کسی کو زبردستی مجبور کیا ہو یا طاقت کے دباؤ سے کسی سے بیعت حاصل کی ہے دور کیوں جایئے۔ ہم حضرت عمر ہی کے گھر چلتے ہیں کیونکہ تاریخ شاہد ہے۔ کہ آپ کے فرزند حضرت عبداللہ بن عمر نے یزید ملعون جیسے فاسق و فاجر کی بیعت تو کر لی مگر انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کی بیعت سے ہمیشہ گریز کیا مگر حضرت علیؑ نے کسی بھی وقت ان پر کسی قسم کا دباؤ نہ ڈالا۔ نہ ہی ان کی آزادی سلب کی اور نہ ہی ان کے دیگر شہری مراعات میں کوئی کمی آنے دی حالانکہ اگر وہ انتقامی کارروائی کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے اور سیدہؑ کے خانہ طیبہ کی توہین کا بدلہ بڑی آسانی سے لے سکتے تھے اور کچھ نہیں تو زبانی جتا سکتے تھے کہ تمہارے باپ نے ہمارے گھر کو پھونکنے کا اہتمام کیا تھا۔ اس بات کا اظہار ہی عبداللہ کے لئے تخویف ہو جاتا کیوں کہ وہ جانتے تھے بدلہ اتارا جا سکتا ہے۔ مگر کردار علیؑ کی بلندی ایسی پستی کی طرف نگاہ جھکا کر دیکھنا بھی

گوارہ نہ کر سکی۔ اسی طرح اور بھی با اثر افراد تھے جو بیعت سے الگ رہے۔ اور حضرت علی چاہتے تو ان پر طاقت کا استعمال کر سکتے تھے مگر ایسا نہ ہوا بلکہ آپؑ نے ایسے لوگوں کی بھی آزادی کو پابند نہ کیا جو بیعت سے منحرف ہو گئے۔ اگر تاریخ کوئی ایسی مثال چھپائے ہے تو اُسے ظاہر کر دیا جائے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے حصول بیعت کے لئے یا اپنی کوئی اور رائے یا حکم مسلط کرنے کے لئے کسی گھر کو نذر آتش کرنے کی محض زبانی ہی دھمکی دی ہو جتنا فرق گھر اور میدان جنگ میں ہوتا ہے۔ اتنا ہی فرق واقعۂ جمل اور واقعہ احراق میں ہے دونوں میں نہ ہی کوئی مناسبت ہے اور نہ ہی مماثلت۔

جنگ جمل میں جو ہوا اس کو بیان کرنا خارج از موضوع ہے۔ بات صرف خانہ عائشہ اور بیت بتولؑ کی ہے آپ خود کے بقول بی بی فاطمہؑ ان مجالس سے راضی نہ تھیں لہذا بے گناہ ہوئیں حضرت عمر نے ایک بے گناہ مخدرہ خاتون جنت اور سیدۃ النساء کے گھر کو پھونکنے کا ارادہ کیا جب حضرت علیؑ نے ایک ایسی خاتون کے خلاف جنگ فرمائی جو حکم خدا اور رسولؐ کے خلاف گھر سے باہر آگئیں اور میدان جنگ میں کود پڑیں انہوں نے خلافت حقہ کے خلاف جارحانہ طرز پر فوجی بغاوت کر کے مرکز کو کمزور کیا۔ ایک ماں نے اپنی اولاد پر قاتلانہ حملہ کیا۔ رسولؐ کے متنبہ کرنے کے باوجود اس جگہ تشریف لائیں جہاں ان پر کتے بھونکے اور کتوں نے ان کو یاد دلایا کہ وہ بر سر حق نہیں ہیں لیکن انہوں نے جس طرح اللہ کے حکم کی نافرمانی کرتے ہوئے میدان جنگ میں کود آنا گوارہ کر لیا۔ اسی طرح حکم رسول کو پس پشت ڈال کر اس شخص سے لڑائی کی جس سے لڑنا رسولؐ اکرم سے لڑنا ہے پس ایسی حکم عدولی خاتون کی باغیانہ مفسدانہ اور شرپسندانہ حرکات

سے چشم پوشی کرنا گناہ عظیم تھا لہذا خلیفہ برحق نے اطاعت خدا اور رسولؐ میں اس فتنہ کی سرکوبی کی۔ خود حضرت عائشہ کے قول کے مطابق ان کا جنگ جمل میں خطاوار اور قصوروار ہونا ثابت ہے اور خود شاہ جی نے بھی اعتراف کیا ہے کہ حضرت امیرؑ نے جو کیا نہایت نیک اور خاص الخاص حق تھا۔ خیر یہ معاملہ جنگ تھا میدان جنگ میں جو بھی ہوا اس کو بُرا من گھڑت کے ساتھ کوئی تطبیق نہیں ہے۔ مگر پھر بھی قابل توجہ یہ بات ہے کہ حضرت علیؑ کی فتح کے بعد نہایت احترام کے ساتھ بی بی عائشہ کو واپس مدینہ روانہ کیا گیا۔ اور حالات تاریخ میں صاف لکھے ہوئے ہیں۔ آپ نے نہ ہی کسی خیمہ یا گھر کو لوٹا اور نہ ہی کسی باغی کے گھر کو آگ لگائی۔ بلکہ اسلامی قوانین جہاد کی پوری پوری نگہداشت فرمائی۔

حضرت سیدہؑ فاطمہ نے نہ ہی کوئی فوجی بغاوت کی اور نہ ہی وہ اپنے گھر سے باہر کسی ایسی سیاسی سرگرمی میں ملوث ہوئیں۔ ان کے گھر کو جلانے کا انتظام کیا گیا چونکہ حضرت علی علیہ السلام کی ساری زندگی میں ایسا کوئی واقعہ قصد احراق ملتا ہی نہیں ہے لہذا محض جنگ جمل کے واقعہ سے احراق کا الزام رد نہیں کیا جا سکتا ہے اگر بی بی پاکؑ بھی مسلح بغاوت برپا کر کے حکومت کے مقابلہ میں میدانِ جنگ میں آجاتیں تو پھر ہم جنگ جمل کی مثال قبول کر لیتے۔

چونکہ فعل امیرؑ اور قول عمر بلکہ قصد عمر میں کسی قسم کا ربط و اشتراک ہی نہیں ہے تو ان دونوں میں بڑھائی یا گھٹائی کا سوال پیدا کرنا محض جہالت اور بیہودہ بحث ہے فعل امیرؑ خاص الخاص حق تھا اور قصد عمر سراسر ظلم پہ مبنی تھا۔ پس ظلم و حق میں امتیاز کرنا ہی تعصب ہو سکتا ہے اور نہ ہی عناد بلکہ تحقیق حق و ابطال باطل ہے۔

دونوں خلافتیں حق ہیں

شاہ صاحب کا خیال خام ہے کہ خلافت حضرت علیؑ اور امارت حضرت ابوبکر دونوں اہل سنتہ والجماعتہ کے نزدیک حق ہیں۔ لہذا جس طرح حفظ انتظام کی خاطر حضرت علیؑ کو بی بی عائشہ سے جنگ جائز تھی اسی طرح حضرت ابوبکر کی خاطر حضرت عمر کی کارروائی درست تھی۔ چنانچہ تحریر کرتے ہیں۔ کہ،

"اب اگر اہل سُنت کے مقابلہ میں یہ فرق پیدا کیا جائے کہ خلافت امیرؓ کی حق تھی۔ لہذا اس کا حفظ انتظام تو ضروری تھا۔ اور پاس تعظیم حرم رسول کی سب ساقط ہو گئی لیکن خلافت ابوبکر کی ناحق تھی، عمرؓ نے اس خلافت فاسدہ کا پاس کیا اور اس کے حفظ انتظام کے واسطے حضرت زہراؓ بنت رسول کے گھر کا لحاظ نہ کیا کہ وبال پر وبال ہے یہ سب ان کی نہایت بے عقلی و نادانی ہے اس لئے کہ اہل سُنت کے نزدیک دونوں خلافتیں برابر ہیں دونوں کو حق مانتے ہیں خصوصاً اس وقت طعن عمرؓ بن خطاب کی طرف متوجہ ہوتا عمرؓ کے نزدیک جو خلافت ابوبکر کی مقرر بحقیت تھی یعنی الٰہی کا حق تھا اور اس وقت کوئی جھگڑالو اور مخالف کہ ابوبکرؓ کا ہم جنب ہوتا یعنی برابر والا اور یہ اس کی مخالفت کی پرواہ نہ کرتے اور گنتی میں نہ لاتے۔"

جہاں تک اس بحث کا تعلق ہے۔ کہ خلافت ابوبکر اور خلافت علیؑ میں کون سی خلافت برحق تھی۔ تو یہ امر ظاہر ہے کہ شیعہ منصوص خلافت کے قائل ہیں اور وہ صرف حضرت علیؑ ہی کو رسولؐ کا خلیفہ بلافصل تسلیم کرتے ہیں۔ چونکہ موضوع سخن استحقاق خلافت نہیں ہے۔ لہذا اس مضمون پر ہم

کچھ کہنا نہیں چاہتے یہ تفصیلی گفتگو ہم اپنی کتاب "صدف ایک زاستہ" کے باب سیاسیات وقضایا میں کر چکے ہیں۔ مطلب اس مباحثہ کا مسئلہ احراق سے والبستہ ہے۔ لہٰذا ہم ادھر ادھر کے مباحثات سے اپنے مقصد بیان میں الجھاؤ پیدا نہیں کریں گے۔

بات صرف یہ ہے کہ بی بی عائشہ نے حضرت علیؑ کے خلاف مسلح بغاوت برپا کی خلافت شریعت جنگ میں کود آئی تھیں۔ اور مقصد قصاص کی آڑ لے کر عدالت کی بجائے میدانِ شجاعت کا رُخ کیا لہٰذا ایک حاکم وقت پر ضروری ہوا کہ وہ اپنے خلاف کی گئی بغاوت کا قلع قمع کرے چونکہ بی بی صاحبہ نے باقاعدہ فوج کشی کی اور جنگ لڑی لہٰذا طرفین نے ہر جنگی حربہ آزمایا ہوگا۔ دونوں طرف حرارت کی فوجیں مقابل تھیں ایک دوسرے کے لشکر نبرد آزما تھے قطع نظر اس بات کے کہ حضرت علیؑ کا موقف صحیح تھا اور فریقِ مخالف کے عزائم نیک نہ تھے۔ اور محض حضرت علیؑ کے لیے پریشانی پیدا کرنا ہی ان کا مقصود تھا۔ ہم صرف یہ دیکھتے ہیں کہ دونوں گروہوں میں جنگی برابری تھی۔ کسی گروہ نے دوسرے پُرامن گروہ پر حملہ نہیں کیا تھا اور اسی بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہؑ کے لئے ایسا ثابت نہیں ہے۔ کہ سیدہؑ گھر میں مقیم تھیں انہوں نے نہ ہی حضرت ابوبکر کے خلاف لشکر کشی کی اور نہ ہی میدانِ جنگ میں مڈبھیڑ ہوئی۔

پس قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ سیدہ گھر میں مقیم تھیں انہوں نے کوئی لاؤ لشکر جمع نہیں کیا تھا لہٰذا حکومت نے ایک پُرامن معظمہ خاتون پر لشکر کشی کی اور تمام اخلاقی ضوابط کو پس پشت ڈالتے ہوئے آگ کا ہتھیار استعمال کرنا چاہا۔ اگر بی بی پاک بتولؑ بھی میدان میں آگئی ہوتیں اور ان دونوں فریقوں میں

جنگ ہوتی جس طرح کہ جنگ جمل ہوئی ہے تو شائد ہم یہ طعن واپس لے لیتے وبال پر وبال تو یہ ہے ایک مقصد فاسدہ کی خاطر حکومت نے ایک پُرامن معزز اور محترم خاندان کے گھر پر دھاوا بول لاحیکہ وکلاء صفائی خود تسلیم کرتے ہیں کہ سیدہؑ بذاتِ خود کسی شرارت یا فساد میں شریک نہ تھیں۔

واضح ہو کہ حضرت علیؑ نے حاکم ہونے کے باوجود جنگ جمل سے قبل باغی خاتون کو مذاکرات کے ذریعہ اس فساد سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی تھی۔ خطوط لکھے وفود بھیجے۔ عبداللہ بن عباس، یزید ابن صوحان اور محمدؓ بن ابوبکر کے ذریعہ مصالحت کی کوشش فرمائی۔ مگر چونکہ انہوں نے صلح کے تمام راستے بند کر دیئے تھے اور جنگ پر تُلی ہوئی تھیں لہٰذا حضرت امیرؑ نے اپنے لشکر سے جنگ سے پہلے یوں خطاب کیا۔

"اے لوگو! مجھے جہاں تک قوت تھی انہیں (مخالفین جمل کو) سمجھایا میں ان کی (کارستانیاں) نظر انداز کرتا رہا۔ جنگ و جدل کی سختی (و نقصان) سے باخبر کیا۔ جب یہ سب کچھ کارگر ثابت نہ ہوا تو قسمیں دیں کہ شاید اپنے زن و فرزند پر رحم کریں۔ لیکن میری کسی (مصالحانہ) بات کا کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ بلکہ الٹا مجھے دھمکایا ہے کہ لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اور مردوں بہادروں سے لڑنے کے لیے میدان میں آؤ۔ یہ لوگ مجھ سے ایسی بات کر رہے ہیں جس کی ساری عمر جدل و حرب و ضرب میں گذری ہے اور میں نے میدان جنگ میں پرورش پائی ہے۔ شائد یہ لوگ مجھے بھول گئے ہیں۔ کہ میں وہی علی ہوں جس نے ان کی صفیں توڑیں۔ ان کے بزرگوں کے سر قلم کیے۔ ان کی جماعتوں کو پریشان کیا وہ تلوار جس نے عرب شجاع سرداروں کے سر کاٹے میرے ہاتھ میں ہے اس کے علاوہ وہ قوی دل امین بازو اور صبر و یقین سے

آراستہ ہوں مجھے کیا خوف ہے! خدا کی مجھ پر رحمت ہے میں کبھی اپنے موت سے بھاگ گیا۔ ممکن ہی نہیں جو شخص مارا نہ جائے گا وہ بھی موت سے بچ نہ سکے گا۔ مارا جانا مر جانے سے ہزار درجہ بہتر ہے میں اس خدا کی قسم کھاتا ہوں جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تلوار کے ہزار زخم مجھ پر آسان ہیں بہ نسبت اس کے کہ عورتوں کی طرح بستر پر جان دے دوں۔"

دوران جنگ بھی حضرت علی علیہ السلام یہ کوشش فرماتے رہے کہ سمجھوتہ ہو جائے مگر جب تک اہل جمل ذوالفقار کے جوہر نہ دیکھ لیتے کیسے باز رہ سکتے تھے۔ بہرحال فتح پانے پر بھی نہ ہی کسی کا مال لوٹا گیا اور نہ ہی آگ لگائی گئی نیز حضرت امیرؑ نے یہ ہدایت بھی فرمائی کہ لڑنے کا قصد پہلے نہ کیا جائے محض دفاعی جنگ لڑی جائے عورتوں اور بچوں پر رحم کیا جائے۔ محض دفع شر کے لئے لڑائی ہو کسی بھگوڑے کو عالم فرار میں قتل نہ کیا جائے وغیرہ وغیرہ۔

لیکن سخت افسوس ہے کہ حضرت عمر نے اتنا بھی نہ کیا کہ ایک سنجھی مخدرہ سے کم سے کم اخلاقی لحاظ سے بطور تنبیہ کر دیتے کہ آپ ان لوگوں کو اپنے ہاں جمع نہ ہونے دیا کریں۔ یا یہ کہ حکومت کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ آپ کے گھر کوئی صلاح و مشورہ ہو۔ لہٰذا آئندہ احتیاط فرمایئے۔ مگر چونکہ وہ حکومت اپنی اساس ہی غیر اخلاقیات پر رکھتی تھی۔ لہٰذا اُسے اخلاقی ضوابط کو ملحوظ رکھنے کی کیا ضرورت تھی جو لوگ ہاتھوں میں ہتھیار اُٹھائے بغاوت پر تلے بازاروں میں گھوم رہے تھے حکومت نے ان کی طرف سے آنکھ بند کر لی اور اپنی تمام تر توجہ تحقیر خاندان رسولؐ کی طرف صرف کی۔ ورنہ حضرت سعد بن عبادہ جیسے لوگ تلوار اُٹھائے

ہوئے تھے مگر ان کو پوچھا بھی نہ گیا: نگاہِ قہر پڑی تو صرف خانہ بتولؑ پر۔

اب اگر آپ کی یہ بات زیر بحث لائی جائے کہ حضرت عمر کے نزدیک حضرت ابوبکر کی خلافت مبنی بر حق تھی لہٰذا اُن کے مخالف کے خلاف کارروائی کرتے وقت کسی اور بلند مرتبہ ہستی کی پرواہ کرنا ضروری نہ تھا تو میں کہتا ہوں کہ کم سے کم مذاکرات کرنا ضروری تھے یا نہیں! اختلاف کی صورت میں دستوری طریقہ کار یہی ہوتا ہے کہ پہلے پُرامن ذرائع استعمال کئے جائیں کیا حکومت کی طرف سے کوئی ایسی پیشکش کا ثبوت ملتا ہے کہ انہوں نے قصد احراق سے پہلے حضرت فاطمہؑ سے گفت و شنید کے لیے سفارش کی ہو کہ ان لوگوں کی جو شکایت ہے باہمی بات چیت سے دور کرتے ہیں معاملہ سیاسی نوعیت کا تھا۔ اسے آپس میں بیٹھ کر مشاورت سے سلجھایا جا سکتا تھا مگر صلح اور امن کی راہ کو چھوڑ کر تلخی و جنگ کے راستہ کو ہموار کیا گیا۔ اور ایسا تشدد و کجی بھی لائق تحسین نہیں ہو سکتا ہے۔

اگر کہا جائے کہ ایسی موضوع روایات بھی ہیں کہ اُن لوگوں کو خبردار کیا گیا تھا کہ سقیفہ میں حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنا لیا گیا ہے لہٰذا تم بھی اطاعت کے لیئے بیعت کر لو، تو ہم کہیں گے یہ بیعت جبری ہوگی۔ جو امر حق نہیں ہے اور پھر یہ سیدہ طاہرہؑ کے لیئے تو ضعیف سے ضعیف روایت میں بھی ایسی گفتگو نہیں مل پاتی کہ آپ کو کہا گیا ہو کہ ان لوگوں کو گھر میں آنے سے روک دیں۔

جسطرح حضرت علیؑ کے لئے ثابت ہے انہوں نے بی بی عائشہ سے مصالحت کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جناب سیدہ طاہرہؑ کے لئے حکومت کی جانب سے ایسا ایک بھی قدم نظر نہیں آتا ہے ورنہ ثبوت پیش کریں حضرت علیؑ کی جنگ جہاد

ہے بی بی عائشہ بقول سے خود خطا پر تھیں یعنی امر باطل پر تھیں لہٰذا امام حق نے امر باطل کے خلاف جہاد فرمایا جبکہ حضرت عمر نے امر باطل کی خاطر سیدہؑ کے گھر کو آگ لگانے کا قصد کیا۔ پس دونوں واقعات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

فاسد ارادے سوچنا موجب قتل و تعزیر نہ سہی موجب ڈرانے دھمکانے کا تو ہے

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"بنیاد ایسی خلافت منتظمہ کی کہ اوّل جوش اسلام کا تھا اور دقت نشود نما نہال دین اور ایمان کا برہم کرنا اور ارادے فاسد سوچنا ہر چند موجب قتل و تعزیر نہ سہی تو کم سے کم موجب ڈرانے دھمکانے کا تو ہے۔"

اس عبارت میں شاہ جی صاحب نے سرے ہی سے اپنے مصنوعی مذہب کی لٹیا ڈبو دی ہے خلافت سقیفہ جس پر سارے سنی مذہب کا دارومدار ہے اس کی بنیاد شاہ جی "جوش" قرار دیتے ہیں۔ یعنی اس خلافت کو ہوش سے نہیں بلکہ محض سنی اسلام کے جوش سے بنایا گیا۔ اسی جذبہ جوش میں جناب عمر نے فتویٰ دیا کہ اگر آئندہ کوئی اس طرح کرے تو اسے اس جہان فانی سے اگلے جہان دھکیل دیا جائے خیر یہ تو تھا جملہ معترضہ۔ قابل بحث بات یہ ہے کہ دین اور ایمان کو برہم کرنا اور اس کے خلاف فاسد عزائم سے سوچنا تو بلاشبہ قابل تعزیر یا قابل قتل ہے اور ایسی ہی صورت میں اگر کوئی دھمکی جاری ہو تو وہ مذموم نہیں ہے مگر راہ خدا اتنا تو بتا دیجئے کہ اگر قیام حکومت سقیفہ پرورش دین اور استحکام ایمان تھا تو ایسی باعظمت بیعت کو حضرت عمر صاحب نے فلتہ کیوں کہا اور اس کار حفاظت دین و ایمان کے ارتکاب کی

پاداش میں سزائے موت کا حکم کس لئے جاری کر دیا۔ اب چونکہ حضرت عمر ہی کے بقول یہ شر تھا جس کے فتنہ سے اللہ نے محفوظ رکھا اس لئے "شر" کے خلاف سوچنا امر حق ہو گا۔ نہ کہ مضرت رسال نہال دین اور سبب برہمی ایمان۔ ایسے عزائم "جو "شر" کو مٹانے کے لئے پیدا ہوں گے۔ وہ فاسدہ نہیں بلکہ محسنہ ہوں گے۔

اب جبتک ایسے ارادوں سے پردہ نہ اٹھایا جائے جو اہل مجلس زیر سایہ خاتون جنت نے ظاہر کیئے جو کہ دین و اسلام کے خلاف اور ملت کے لئے نقصان دہ تھے اس وقت تک یہ الزام بلا ثبوت ہو گا کیونکہ جن ہستیوں پر یہ الزام عاید کیا گیا ہے ان میں اکابر صحابہ اور سراپا ہدایت گھرانہ شامل ہیں۔ اور اگر محض حکومت سقیفہ کے قیام اور طریق کار و حیثیت حکومت سے اختلاف ہی کو فساد دین و ایمان کہا جائے تو یہ خود ساختہ توضیح ہو گی۔ کیونکہ سیاسی اختلافات ہلّی فسادات کے زمرے نہیں آیا کرتے۔ ورنہ ایسے قیاس کی روشنی میں سنی مذہب کے ممتاز بزرگ مفسد شریر اور دشمنانِ دین و اسلام قرار پا جائیں گے۔

ہم صرف ڈرانے دھمکانے کی بات نہیں کرتے ہیں بلکہ اس کے تمام عنوانات کو سامنے رکھے ہوتے ہیں۔ اگر یہی بات شائستگی سے کی ہوتی تو سانپ بھی مرجاتا اور لاٹھی بھی بچی رہتی غور کریں کہ آپ کے ہاں ایسی روایات موجود ہیں۔ کہ اس واقعۂ احراق کے بعد سیدہؑ نے لوگوں کو اپنے گھر آنے سے منع کر دیا۔ اب یہ روایات صحیح ہیں یا غلط اس بات کو رہنے دیجئے صرف یہی سوچئے کہ اگر دائرہ ادب و احترام میں رہتے ہوئے سیدہؑ سے یہ التماس کی جاتی تو حسب خواہ نتیجہ برآمد ہوتا اور آئندہ کے لئے ایسے ظلم کی مثال ہرگز نہ بنتا کہ لوگوں کے دلوں میں عظمت اہل بیتؑ میں کمی آجاتی۔ ہمارا زور اس بات پر ہے کہ قصد

احراقِ خانہ بتولؑ اہل بیتؑ کی تحقیر کی خاطر تھا۔ اس کا محرک نہ ہی حفاظت ایمان و اسلام تھا۔ اور نہ ہی فسادِ اُمت کا خدشہ۔ کیوں کہ فسادی گروہ تو وندناتے پھر رہے تھے۔ اور حکومت ان سے چشم پوشی کر لیتی تھی۔ محض حکومتی اختلاف بھی تھا۔ تو مذہب اہل سنتہ کے مطابق اختلاف رحمت ہے

اس واقعہ میں حضرت عمر کے غلطی پر ہونے کی سب سے قوی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر خلیفہ وقت کو اس سانحہ کا علم ہوا تو آپ نے اظہار ناپسندیدگی فرمایا اور حضرت عمر کو کہا کہ چلو حضرت علیؑ سے معافی طلب کریں۔ صاحب اہل سنتہ کے امام اوّل اس کارروائی کو غلط قرار دیں۔ اور مجرم کو متاثرین کے پاس معذرت کے لئے لیجانے کا اہتمام کریں۔ تو پھر کسی سنی ماموم کو یہ حق نہیں رہ جاتا ہے کہ اپنے مانے ہوئے امام کی بات کو قبول نہ کرے۔

عم رسولؐ حضرت عباس بن عبدالمطلب، نفس رسولؐ حضرت علی، حضرت زبیر بن عوام، حضرت سلمان، حضرت ابوذر، حضرت مقداد، حضرت عمار وغیرہم بہرحال اہل سُنت کے نزدیک بھی ایسے افراد ہرگز نہ تھے کہ وہ اسلام کو نقصان پہنچانے کے ارادے رکھتے بلکہ بات محض خلافت کے قیام کے غلط طریق کار کی تھی اب اگر حکومت ہٹ دھرمی سے استحصال پر تل جاتے اور اپنے آمرانہ طرز عمل کو چھپانے کی خاطر "دین" کو ڈھال استعمال کرے تو کوئی بھی غیر جانبدار شخص اس موقف کی تائید نہ کرے گا۔ ہاں حکومت باطلہ کے استحکام کے لئے آمر حکمران ایسی کارروائیاں ہمیشہ ہی سے کرتے چلے آتے ہیں۔

پس چونکہ جماعت زیر بحث کے ارادے نہ ہی مفسدانہ تھے اور نہ ہی دین

ص۱ الامامت والسیاست ابن قتیبہ دینوری۔

کے لئے نقصان دہ لہٰذا تعزیر کے جواز کا یہاں کوئی موقعہ نہیں نظر آتا ہے۔ اور یہ دھمکی بالقصد المصمم سراسر زیادتی، ظلم اور انتہائی بہیمانہ سلوک کی آئینہ دار ہے پھر بھی ہم اکابرین اہل جماعت حکومت کو یہ موقعہ فراہم کرتے ہیں۔ وہ اُن عزائم کی نشاندہی کریں جو دین کے لئے حضرت رسالت اور اسلام کے لئے خطرناک تھے نیز یہ اعلان کریں کہ کون کون سے صحابی اور افرادِ اہل بیت ایسے تھے۔ جنہوں نے ایسے ارادے کیئے ایسی صورت میں یہ فیصلہ آسان ہو گا کہ آیا وہ مقدس ہستیاں لائق تعزیر تھیں یا نہیں۔

شیعوں نے اس طعن میں ذکر ترقی کیا ہے۔

شاہ صاحب بہت تعجب سے لکھتے ہیں کہ۔

"اور عجیب یہ ہے کہ بعض فضلائے شیعہ نے اس طعن میں بطور ترقی کے ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی زبیرؓ بن عوام بھی منجملہ ان جوانوں بنی ہاشم کے تھے جن کے ڈرانے دھمکانے کو حضرت عمر نے یہ بات کہی تھی کہ بعد اس کے حضرت زہراؓ ان جوانوں بنی ہاشم اور حضرت زبیر کو جواب دیا کہ اب ہمارے گھر ایسی مجلس اور مجمع مت کرو"

اس بات میں نہ ہی شیعوں نے کوئی ترقی کا ذکر کیا ہے اور نہ ہی یہ خود ساختہ بات ہے بلکہ تاریخ سے مکمل طور پر ثابت ہے کہ حضرت زبیر بن عوام اس مجلس میں شامل تھے اور زبیر کی موجودگی یا عدم شرکت سے شیعہ موقف کو نہ ہی کوئی ضرر پہنچتا ہے اور نہ ہی فائدہ لہٰذا اس طعن میں اپنی طرف سے ایسی ترقی کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ یہ حقیقت پوری طرح تاریخ سے ثابت ہے۔ کوئی بھی ایسا مورخ نہیں ہو گا جس نے اس جماعت میں زبیر بن عوام کو خارج کیا

ہوا۔ لہٰذا یہ تعجب محض بدنیتی اور چشم پوشی پر مبنی ہے۔

فرد عشرہ مبشرہ نہ ادھر کے نہ ادھر کے

جب تک عبداللہ بن زبیر عالم شباب کو نہ پہنچے حضرت زبیر بن عوام اہل بیتؑ کے ساتھ وابستہ رہے اور حضرت علیؑ کی صحبت کو اپنائے رہے۔ مگر عبداللہ کے جوان ہوتے پر انہوں نے تمسک با اہل بیت کے دامن سے ہاتھ کھینچ لیا۔ لہٰذا مذہب شیعہ میں حضرت زبیر کو متخلف اہل بیت سمجھا گیا۔ مگر اہل سُنت مسلک کے بموجب حضرت زبیر بن عوام کا شمار ان دس صحابہ میں ہوتا ہے جنہیں جنت کی بشارت دی گئی۔ لہٰذا سنی مذہب میں انکا اقتدار عشرہ مبشرہ کی سند سے بخوبی معلوم ہوتا ہے مگر شاہ صاحب کے نزدیک ایسی بشارت کوئی وقعت ہی نہیں رکھتی ہے چنانچہ حضرت زبیر بن عوام کے بارے میں لکھتے ہیں کہ :۔

"سبحان اللہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ خلافت ابوبکر میں اگر زبیر بن عوام تدبیر فساد ڈالنے کی کریں۔ تو معصوم واجب التعظیم ہوں۔ اور حضرت عثمان کے قصاص چاہنے میں اگر سخت بات منہ سے نکالیں تو واجب القتل اور تعزیر ہوں۔"

اولاً تو ہم حضرت زبیر کی شمولیت کو کوئی وقعت واقعہ احراق میں دیتے ہی نہیں ہیں۔ نہ ہی ان کو معصوم مانتے ہیں اور نہ ہی ان کی تعظیم کو واجب اعتقاد کرتے ہیں۔ مگر چونکہ وہ اس موقعہ پر بے قصور ہیں لہٰذا ہم انصاف کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے حضرت زبیر نے اختلاف ضرور کیا۔ مگر فساد امت کی کوئی تدبیر نہ کی۔ اور حکومت سے اختلاف کرنے والی جماعت کو حزب اختلاف تو کہا جا سکتا ہے مگر مفسد و غدار نہیں اور پھر یہ کہ جب آپ جمہوری

ہیں تو جمہوریت اختلاف کے بغیر پروان ہی نہیں چڑھ سکتی ہے لہٰذا یا تو اجماعی حکومت کا دعویٰ کرنے خلافت کا ڈھونگ ختم کر کے آمریت تسلیم کیجئے ورنہ اس اختلاف کو برداشت کرنے کی جرأت پیدا کریں۔

اب بیچارے زبیر بن عوام کو آپ چار چاند لگا دیں تو جنت کی بشارت دے دیں۔ اور اگر مخالفت پہ آئیں تو مفسدین اور مدبر فساد فی الاسلام قرار دیں۔ اگر زبیر مفسدین تھے تو جنتی نہیں ہو سکتے اور اگر وہ یقینی اہل جنت سے ہیں تو ان پر فساد کا الزام غلط ٹھہرا۔ شیعہ نظریہ ان کے بارے میں جو ہے وہ تو سب پر عیاں ہی ہے۔ مگر آپ کی اس کلام نے جناب زبیر بن عوام کو ادھر کا رہنے دیا ہے اور نہ اُدھر کا اللہ جانے آپ آگئے۔ کیا کیا گل کھلائیں گے حضرت زبیر کے کردار پر بحث کرنا اس مضمون سے کوئی تعلق نہیں رکھتا ہے۔ سوائے اس کے ایک عشرہ مبشرہ میں کا صحابی علیؑ کی حکومت کی تلوار ظلم کا شکار بنا۔

اب آیئے قصاص عثمان کے مطالبے کی طرف۔ قصاص طلب کرنے کے کچھ طریقے مقرر ہوتے ہیں۔ قصاص طلب کرنے کے لئے آئینی راہیں ہیں اور ضروری ہے قصاص عدالت عظمیٰ میں طلب کیا جائے کیا آپ کسی بھی تاریخی حوالہ سے یہ بات ثابت کر سکتے ہیں کہ حضرت زبیر نے کسی عدالتِ حکومت میں دعویٰ قصاص داخل کیا ہو۔ حالانکہ زبیر نہ ہی مقتول کے وارثوں سے تھے اور نہ ہی قصاص طلب کرنا ان کا حق تھا مگر انسانی حقِ تمدن کو ہی مدنظر رکھ لیں کہ کیا انہوں نے عدالت کے دروازے پہ دستک دی؟ اگر ایسا کیا تو اس مقدمہ کا مرکزہ کا فیصلہ کیا ہوا؟ راہِ خدا ہمیں بھی اس دعوے قصاص کی کارروائی سے مطلع فرما دیجئے۔ اور اگر قصاص حکومت حقہ کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کا نام ہے تو

پھر بھی کسی قانونی و فقہی کتاب سے وہ حوالہ بتا دیجئے۔ نہ ہی زبیر کے قصاص طلب کرنے پر سخت کلامی کی وجہ سے ہم ان کو واجب القتل کہیں گے۔ اور نہ ہی بیعت شکنی کرنے پر اگر وہ لائق تعزیر تھے تو محض امامت و خلافت حقہ کے خلاف مسلح بغاوت کرنے کے جرم میں۔ اور ہم نے اپنی کتاب "حرف ایک راستہ" میں قصاص عثمان کی بحث اور جنگ جمل کے واقعات میں یہ بات مکمل طور پر ثابت کر دی ہے کہ زبیر نے آخر وقت اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا تھا نیز یہ کہ قتل عثمان میں ان کے امدادی ہاتھ بھی کارفرما تھے لہٰذا تفصیلات کتاب مذکورہ میں مطالعہ کی جا سکتی ہیں۔

حضرت زبیر نے حضرت علیؑ کے خلاف بغاوت کو خود اپنی زبان سے اپنی خطا تسلیم کیا ہے جبکہ مخالفت ابوبکر کو انہوں نے اپنی غلطی نہ مانا۔ حالانکہ وہ داماد ابوبکر بھی تھے پس حق و باطل کا فیصلہ اگر زبیر ہی کے کردار و رائے پر چھوڑ دیا جائے تو بھی واقعہ قصد احراقِ خانہ بتولؑ کو حکومت کی غلطی ماننا پڑتا ہے اور تعظیم و تعزیر زبیر کی اس بحث کا کچھ اثر بھی اس بات پر نہیں پڑتا ہے کہ قصد احراق کا واقعہ انتہائی سنگدلی اور بے حرمتی کا مظاہرہ تھا۔

اِدھر قابل قبول اُدھر واجب الرد

نفسِ بحث سے کتراتے ہوئے شاہ صاحب آئیں بائیں شائیں ہوتے چلے جا رہے ہیں اور اصل مقدمہ کو چھوڑ کر غیر متعلقہ توضیحات میں تضیع اوقات کر رہے ہیں۔ چنانچہ ایک ہی بات کو ہیر پھیر کر کے دھراتے آ رہے ہیں۔ اب پھر کہتے ہیں کہ۔

اور جو حضرت زہراؑ کے گھر میں بیٹھ کر ایسے ارادے فساد اور صلاحیں

فتنہ انگیزی کی کریں وہ تو واجب القبول ہوں۔ اور جب حضور میں حرم محترم حضرت رسول کی ہمراہ ان کے ہوں کہ بلاشبہ وہ ام المومنین ہیں دعوائے قصاص یا شکایت عثمانؓ کے قاتلوں کی زبان پر لائیں تو وہ واجب الرد اور ازالہ ہوں؟

ہم اب پھر اسی بات کا اعادہ کرتے ہیں کہ بحث حضرت زبیر کو قبول یا رد کرنے کی نہیں ہے نہ ہی اعانت زبیر بی بی پاکؑ کے لئے کوئی اہمیت رکھتی ہے۔ اور نہ ہی تعاون زبیر بی بی عائشہ کے لئے کسی خصوصیت کا حامل ہے۔ یہ موضوع صرف فاطمہؑ کے گھر کو جلانے کے قصد کو جائز یا ناجائز قرار دینے سے متعلق ہے نہ ہی اس مضمون میں تعظیم سیدہؑ یا احترام اُم المسلمین کے مباحثہ کو داخل کرنا میرے لئے ضروری ہے معاملہ وہی ہے کہ سیدہؑ ایک پُرامن گھر میں مقیم بر سر حق تھیں۔ لہٰذا حضرت زبیر نے اس وقت امر حق کی حمایت کی دوسری جانب بی بی عائشہ کھلی باغیانہ جنگ میں بر سر پیکار تھیں۔ امر باطل پر گُشت و خون بکروا رہی تھیں اور اس باطل جنگ کی پشت پناہی حضرت زبیر نے کی۔ سیدہؑ کے گھر میں محض مشاورت تھی اُم المسلمین کے میدان میں علانیہ بغاوت کی جنگ تھی۔ "امن و جنگ" "گھر اور میدان" "حق اور باطل" میں اگر امتیاز کرنے کی توفیق حاصل ہو تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس محل پر تقابل واقعہ عائشہؓ و واقعہ فاطمہؓ اصولی طور پر ہی غلط ہے کیونکہ دونوں واقعات میں کوئی قدر مشترک سرے سے ہے ہی نہیں ہے مسلمانوں کی ماں نے امت کے باپ کے خلاف خروج کیا۔ امن و آشتی کی ساری کوششیں خاک میں ملا کر اپنی اولاد کا خون میدان جمل کی مٹی کو پلا یا۔ لہٰذا باپ پر ضروری ہو گیا کہ ماں کی سرزنش کرے مگر خاتون جنت بضعتہ الرسولؐ سے کب مصالحت کی کوشش ہوئی انہوں نے کونسا قطرہ خون مسلمان بیکار ضائع کیا ہے باغیہ کو نہایت احترام سے واپس

کیا گیا مگر ان سے اس کے اصل مکان میں پہنچانے کا انتہائی عمدہ انتظام کیا گیا اگر مظلومؑ کو بے قصور گھر سے نکالنا چاہا دل تو جلایا تھا ہی اب سر و سامان بھی جلا دینے کا سامان کیا گیا افسوس اس وقت آسمان ٹوٹ کر کیوں نہ گرا جب چشم فلک نے مسجد نبوی کے قریب رشک جنت گھر کے سامنے نار روشن دیکھی۔

کردارِ علویہ کی کسی اور میں بو بھی آ جائے تو ہم مان لیں گے۔ ایک ملک گیر بغاوت کو کچلتے ہیں جنگ میں فاتح ہو کر بھی باغی گروہ کی سرغنہ کو باعزت طور پر اس کے گھر روانہ کرتے ہیں۔ ورنہ سیاسی تقاضا تو یہ تھا کہ اسے حراست میں لیتے یا نظر بند کرتے اور نہیں نقل و حرکت پر پہرہ بٹھا دیتے مگر اس مردِ حریت نے شخصی آزادی کا تحفظ کیا کیونکہ اسلام آیا ہی غلامی سے نجات دینے کیلئے ہے اور بیعت تک کا مطالبہ نہ کیا۔

مگر حکومت سقیفہ کا یہ کالا کارنامہ جب تک دنیا میں آگ روشن رہے گی لوگوں کو نہیں بھول سکے گا کہ محض اپنی غلامی کا پٹہ گلے میں ڈالنے کی خاطر خانۂ حریت پر جارحانہ کارروائی کی اور بے گناہ، باپردہ، باعصمت گھر کو ناکردہ گناہ کے باعث نذرِ آتش کرنے کا حلف اٹھایا۔

پس اگر عمل زبیر لائق قبول ہے تو محض اس لئے کہ جانب حق قدم اٹھایا تھا اور اگر فعل زبیر قابل ازالہ و رد ہے تو صرف اس واسطے کہ امر باطل کی جانب پیش قدمی تھی۔

اصول شیعہ طریق اہلسنّت

شاہ صاحب نے اپنا تمام تر زورِ بیان صرف کر کے اپنے کُند ہتھیار ہم شیعوں کے دروازے پہ پھینک کر دم دبائی ہے اور لکھا ہے کہ "دیس یہ فرق تو مبنی بر اصول شیعہ ہے اور اگر چاہیں کہ اہل سنت کو اپنے طریق پر الزام دیں تو کیوں اتنی دور

دوڑتے پھریں بس ایک بات کافی ہے کہ جب ترک جماعت پر کہ سنّت مؤکدہ ہے اور فائدہ اس کا فقط اسی واسطے ہے جس پر یہ تکلیف شرعی ہے اور اس کے ترک سے مسلمانوں کو کچھ ضرر نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تہدید ان کے گھر جلانے کی فرمائی ہو تو ان گھروں کو جلانے میں جن میں ایسے مفسدے برپا ہوں جن کا شر تمام مسلمانوں بلکہ تمام دین کو پہنچے دھمکی دینا کیوں جائز نہ ہو گی"

اس ضمن میں پہلی گذارش یہ ہے کہ جس فرق کو شاہ صاحب نے مبنی بر اصول شیعہ ظاہر کیا وہ قطعاً غلط ہے کیونکہ مندرجہ صدر تمام امور مسلک شیعہ کے خلاف تھے اسی لئے ہم نے ان پر جوابی تبصرہ پیش خدمت کرنا ضروری سمجھا۔ دوم قابل توجہ امر یہ اعتراف ہے کہ گھر فاطمہؑ کا جلا دینے کی دھمکی دینا طریق اہل سنۃ والجماعۃ میں جائز ہے۔ لہٰذا جو لوگ اس واقعہ کو واہیات، غلط طعن یا الزام شیعہ سمجھتے ہیں ان کو اپنے مذہب سے واقفیت ہی نہیں ہے اس کے بعد ترکِ جماعت کے بارے میں حضورؐ کی دھمکی کو لیجئے نماز فرض ہے۔ جماعت سے ادا کرنا سنّت مؤکدہ ہے لہٰذا حضورؐ نے جو تہدید فرمائی اس سے صرف یہ استدلال قائم ہو گا کہ فرائض و واجبات و سنن کیلئے دھمکی جائز ہے بلکہ شاہ صاحب نے زیادہ زور سنّت مؤکدہ کے قیام پر دیا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ حصولِ بیعت ابوبکر نہ ہی فرائض میں داخل تھا نہ ہی سنت رسولؐ میں شامل تھا بلکہ یہ ایک ایسا شر تھا جس کے فتنوں سے بقول حضرت عمر اللہ نے محفوظ رکھا اور حضرتِ عمر نے ہدایت کی کہ اگر آئندہ کوئی اس طرح کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے پس قول عمر ہی سے جب یہ شر ثابت ہے تو پھر اس کیلئے دھمکانا کس طرح جائز ہو گا۔ اگر آپ اپنی اس بات پر قائم رہیں تو یہی دلیل آپ پر الٹی ہو جاتی ہے کیونکہ حکومت سقیفہ کی بنیاد ایک مفسدے اور شر پر تھی لہٰذا اس میں ملوث تمام سرکردہ افراد کے گھروں کو جلا دینا ان لوگوں کے لئے جائز

تھا جو اس میں شریک کار نہ ہوئے اور اس شرارت سے الگ تھلگ رہے۔

چونکہ آپ نے بات سنت کی پیروی کی چھیڑ دی لہٰذا اب ہماری بھی تھوڑی سی باتیں سننے کی تکلیف گوارہ کریں بخود آپ ہی کے بقول سنت مؤکدہ کے اجراء و قیام کیلئے دھمکی دینا جائز ہے تو اب فرمایئے کیا رسول کریمؐ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ "میرے اہل بیت کی مثال نوحؑ کی کشتی کی مانند ہے جو اس میں سوار ہوا نجات پا گیا جس نے کنارہ کشی اختیار کی ہلاک ہوا اور غرق ہو گیا!" اب سنت کی پیروی کا تقاضا یہ ہے کہ اہل بیت سے تخلف نہ کیا جائے اور ان کے غیر سے تخلف کیا جائے کیونکہ وہ ہلاکت کا باعث ہے اب جن لوگوں نے فلک النجاۃ میں آ کر پناہ لی انہوں نے یقیناً سنت کی پیروی کی جو لوگ اس کشتی کے قریب نہ پھٹکے بلکہ اسے آگ لگانے آ گئے انہوں نے ہلاکت و غرقابی کا قصد کیا۔ لہٰذا از روئے سنت ضروری ہوا کہ متخلفین اہل بیتؑ اظہار کو دھمکانا جائز ہے نہ کہ متمسکین اہل بیتؑ کو۔

پس چونکہ سقیفہ میں بننے والی حکومت نے محبت اہل بیت جو کہ واجبات میں سے ہے کا لحاظ کیا اور نہ ہی سنت رسولؐ کی پاسداری کی بلکہ خلاف سنت ایک ایسا "دستور" پیدا کیا جو خود انہی کے بقول فتنوں کا باعث تھا اس لئے اس حکومت کے مخالفین اگر اس کے سرغنوں کے گھروں کو پھونک دینے کا عزم کرتے تو بالکل مطابق سنت ہوتا جبکہ ایسی حکومت جو بذات خود ایک فتنہ کی پیداوار تھی اور خلاف سنت تھی یہ ہرگز حق نہیں رکھتی تھی کہ اپنا سکہ جمانے کیلئے پرامن شہریوں اور اطاعت شعاران رسولؐ کے گھروں کو جلانے کی کارروائی کرتی۔

جب خود شاہ صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ حضورؐ نے امت کو دو عظیم الشان چیزوں کے حوالہ کیا قرآن و اہل بیت کے تو اہل بیت کے زیر سایہ ہونا سنت ہوگا اس سے علیحدگی پسندوں کے گھروں کو جلانے کی دھمکی دینا تو مطابق تہدید رسولؐ ہو سکتا ہے مگر

حضورؐ کے مقرر کردہ محفوظ خانہ، معدن رسالت، جائے پناہ اور بیت نجات کو آگ لگانا یا ایسا ارادہ کرنا یقیناً خلاف سنت ہوگا۔

پس چونکہ اس دلیل سے خود مخالف ہی پر معاملہ الٹ جاتا ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ ظالم مظلوم پہ شکایت ظلم کر رہا ہے لہٰذا ہمارا موقف اپنی جگہ پر قائم ہے کہ قصہ احراق کی کارروائی خلاف سنت بھی تھی اور عام ضابطہ اخلاق کے بھی منافی تھی نیز مبینہ تہدید رسولؐ سے اس فعل کو قطعاً کوئی مطابقت نہیں ہے۔

منقش پردہ اور تصویروں والا قصہ

قصہ احراق خانہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے جواز میں شاہ صاحب ایک اور دلیل بیان کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ:۔

"اور جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بسبب ہونے پردہ منقش اور تصویروں کے گھر میں حضرت زہراؑ کے نہ گھسے جب تک کہ وہ دور نہ کر دی جائیں بلکہ خانۂ خدا میں نہ جائیں جب تک کہ صورتیں حضرت ابراہیم اور اسمعیلؑ کے وہاں سے نہ نکال ڈالی جائیں۔ اگر عمر بن خطاب بسبب ہونے مفسدوں کے اس خانۂ کرامت آشیانہ میں جہاں فتنہ انگیز تدبیروں کا وقوع معلوم ہوتا تھا وہاں کے لوگوں کو گھر پھونک دینے کی دھمکی دیں تو کیا گناہ ان کے ذمہ عائد ہوتا ہے"

محولہ بالا روایت کئی وجوہات کے باعث ہمارے ہاں مجروح ہے اور مسلمات میں سے نہیں ہے تاہم اگر اس کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے یہی استدلال واضح ہو سکتا ہے کہ جس گھر میں نقش و نگار والی تصاویر یا مجسمے ہوں وہاں رحمت نہیں آتی ہے مگر سیدہؑ کے گھر ایسا کوئی خلاف شرع امر نہیں تھا اور نہ لوگ وہاں

جمع ہو کر کسی قسم کی فتنہ انگیزی کی تدابیر میں مشغول تھے بلکہ وہ تو ایک ایسی سازش کے بارے میں مصروف مشورہ تھے جس سے ملتِ اسلامیہ میں ہر قسم کے فتنے نے جنم لیا۔ اتحاد و قوم کا شیرازہ بکھرا۔ عدل و انصاف کے بخیئے ادھڑے، حرص و ہوس کا دور دورہ شروع ہوا، ظالم کو مظلوم کہا جانے لگا اور غاصب کو حقدار تصور کرتے کی راہیں ہموار کرنے کی کوشش کی گئی۔ سنت رسولؐ کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ قرآن و اہلِ بیتؑ جیسے ثقلین کا دامن چھوڑ کر لوگ گمراہیوں کے عمیق گڑھوں میں چھلانگیں مارنے لگے۔ ایسے خونی انقلاب کے خلاف قیام سنت اور استحکام دین یا انعقاد حکومت الٰہیہ کی خاطر بہ صلاح مشورے ہوتے تاکہ امت کی بھلائی ہو اور لوگ اسی مرکز پر قائم رہیں جس پر رسولِ خداؐ ان کو ثابت قدم رہنے کی ہدایت فرماتے تھے یعنی اہلِ بیتؑ سے جدائی اختیار نہ کریں ایسی مجلس میں شرکت کرنا باعثِ ثواب تھا بلکہ عبادت تھا لیکن حکومت نے عبادت و ثواب کی پرواہ کیے بغیر اقتدار کے نشہ میں چور اندھا دھند کارروائی کی اور خانہ کرامت آشیانہ پر بجلی گرانے کی تدبیر کی۔ اگر کسی امر حق کی خاطر ایسی دھمکی دے دی جاتی تو بات اور ہوتی مگر یہاں تو سراسر امر گمراہی کے استحکام کیلئے ایسی زیادتی کی گئی ہے اور اگر حضرت عمرؓ کے ذمہ یہ گناہ عاید نہیں ہوتا تھا تو پھر بتایا جائے کہ حضرت عمرؓ کے امام حضرت ابو بکرؓ نے مطالبہ معذرت بارگاہِ سیدہؑ میں پیش کرنے کا اظہار کیوں کیا کیا بے گناہ بھی معافیاں مانگا کرتے ہیں؟

مراعات ادب مقتضی ایسی دھمکی کی نہ تھی

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "معذریہ کہ مراعات ادب مقتضی ایسی دھمکی کی نہ تھی لیکن معلوم ہوا کہ رعایت ادب کی ایسے بڑے کاموں میں کوئی نہیں کرتا۔"

میں عرض کرتا ہوں کہ بلند کردار انسان ہمیشہ ادب کی حدود کی حفاظت کیا کرتے ہیں کیونکہ انسانیت کی معراج یہی ہے کہ بدتمیزی کرتے وقت بھی تمیز کا دامن نہ چھوٹے اور بے ادبی کے تقاضے بھی ادب کے دائرہ میں رہتے ہوئے پورے کیے جائیں بدتہذیبی کرتے ہوئے بھی تہذیب مدنظر رہے۔ یہی اسلام کا عالمگیر سبق ہے اور اس کی تکذیب محض غلط سوچ اور مجرم کی پیشہ ورانہ وکالت بے اصل پر ہی مبنی ہو سکتی ہے اسلامی دستور یہ ہے کہ حلم دامن کے سارے ہتھیار آزمانے کے بعد تلواری دفاع کیا جائے نہ کہ وحشیانہ کارروائی کر کے جارحیت کی رسم پر عمل کیا جائے۔

کام خواہ کس قدر ہی بڑا کیوں نہ ہو قانون خداوندی سے فوقیت نہیں پا سکتا ہے اور حکومت سقیفہ بلاشبہ اللہ کی حدود قانونیہ سے بالاتر نہ تھی لہٰذا ان کی اولین ذمہ داری اور تقاضائے تدبر انسانیہ یہی تھا اس اختلاف کو امن سے حل کرنے کی کم سے کم کوشش تو ضرور کرتے۔ پس ادب کا تقاضا کسی بھی وقت ساتھ نہیں چھوڑتا ہے خواہ وہ جنگ کا میدان ہو یا پر امن گھر کا صحن و دروازہ۔

فعلِ معصوم سے مطابقت

شاہ صاحب نے اپنی عبارت کا تتمہ اسی بات پر کیا کہ حضرت عمرؓ کا فعل حضرت علی علیہ السلام جیسے معصوم امامؑ کے مطابق ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ:-

"بدلیل نقل امیرؑ با عائشہ صدیقہ کہ بے شبہ زوجہ محبوبہ رسولؐ اور ماں تمام مسلمانوں کی

اور واجب التعظیم تھیں پس جو بات حضرت سے مطابق فعل معصوم کے وقوع میں آئی تو محل طعن و تشنیع کیوں ہو؟"

اس توضیح پر ہم پہلے کافی حد تک اپنے خیالات کا اظہار کر چکے ہیں اور مزید عرض یہ کرتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے حرم رسولؐ پاک کے احترام کا مکمل خیال رکھا تقریراً تحریراً عملاً اور فعلاً ہر وہ ادبی تقاضا پورا کیا جو حرمت کے امکان میں احاطہ کئے تھا آپ نے قطعاً حضرت عائشہ کے گھر کا گھیراؤ یا جلاؤ نہیں کیا نہ ہی حصول بیعت کی خاطر کوئی طاقت آزمائی فرمائی حتیٰ کہ پوچھا تک نہیں ہے یہ سارے واقعات کتب تاریخ میں محفوظ ہیں۔ حالانکہ حضرت علیؑ کو منجانب رسولؐ طلاق تک دینے کا اختیار حاصل تھا اور بی بی صاحبہ کا قصوروار ہونا خود ان کی اپنی زبان ہی سے ثابت ہوتا ہے لیکن پھر بھی سوائے میدان جنگ میں جوہر آزمائی کے جناب امیرؑ نے ادب و لحاظ کے تمام مراعات و حقوق کو ملحوظ خاطر رکھا مگر حضرت عمر نے بلا وجہ معقول سیدہؑ کے گھر کو جلانے کا حلف اٹھا لیا۔ ترش کلامی سے گفتگو کی۔ دست اندازی سے بھی دریغ نہ کیا۔ گفت و شنید کا موقعہ ہی نہ آنے دیا۔ الغرض فعل معصوم یہ کہ جنگ میں بھی پاسداری حقوق قائم رہی۔ اور فعل عمر یہ ہے کہ پُرامن گھر میں بھی عورتوں کا احترام اور حرمت اہل بیتؑ کا لحاظ نہ کیا۔ فعل معصوم محل طعن و تشنیع اس لئے نہیں کہ کارروائی ضابطۂ آئین کے مطابق تھی اور عمل عمر لائق مذمت اس واسطے ہے کہ نہ ہی مقصد کار روائی نیک ارادہ کے لئے تھا اور نہ ہی دوران کارروائی ادب و تعظیم کے مراعات کو خاطر میں لایا گیا علیؑ نے ایک بھٹکے ہوئے گروہ کو ہدایت پر لانے کے لئے جہاد کیا اور عمر نے ایک سراپا

ہدایت گھرانہ کو گمراہی کو ہدایت کہلوانے کے لئے فساد کیا۔ پس جہاد محل طعن ہو نہیں سکتا اور فساد تو ہے کہ قبیح و شنیع شے۔ لہٰذا حضرت عمرؓ کے اس قصد کو جو بدنیتی پر مبنی تھا حضرت علیؑ جیسے معصوم امام کے اس فعل و عمل سے کوئی مطابقت نہیں ہو سکتی جو سراسر نیک نیتی اور فلاح و بہبودِ ملت اسلامیہ کے لئے تھا۔

القصہ مختصر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی صاحب کی تمام بحث کا جواب ہم نے پیش خدمت کیا جس سے قارئین کرام بخوبی فیصلہ فرما سکتے ہیں۔ کہ انہوں نے کس طرح وکالت کر کے چوری اور اوپر سے سینہ زوری کی کہاوت کا عملی ثبوت دیا ہے زمانہ ادراک و دانش کا ہے بات بات کی کھال اتاری جاتی ہے شیعہ معروضات اور سنی توضیحات دونوں عوام الناس کے سامنے کھلی کتاب کی مانند ہیں اب فیصلہ کرنا آپ کے اذہان و قلوب پر منحصر ہے کہ حق و باطل میں امتیاز پیدا کر لیں۔ ہم نے صرف ہدایت و گمراہی کا فرق ظاہر کرنے کی ذمہ داری کا بوجھ اپنے کندھوں سے کم کرنے کی کوشش کی ہے باقی معاملہ کی تہ تک پہنچنے کی راہ اب آسان ہے۔ لہٰذا بقیہ ذمہ داری آپ کے لئے باقی چھوڑ دی جاتی ہے

ہم اب دوسرا رُخ اختیار کئے لیتے ہیں۔ اور آپ کی ملاقات ایک سپیشل بیرسٹر جناب عمر حضرت شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی سے کراتے ہیں۔ آپ نے شاہ صاحب کے بعد اس وکالت کی ذمہ داری قبول کی ہے۔ چونکہ اس مقدمہ کے نشیب و فراز سے آگاہی حاصل تھی۔ لہٰذا انہوں نے آتے ہی اعتراف کر لیا کہ یہ فعل احراق خانہ فاطمہؑ کا قصد بلاشبہ عدل کے منافی تھا۔ اور حضرت عمر کی ذات کو اس فعل سے محفوظ قرار نہیں دیا جا سکتا ہے لہٰذا یہ بے اعتدالی اُن سے سرزد ہوئی

بلکہ اس طرح کی دیگر بد اعتدالیاں بھی کی گئیں مگر ان کے نتائج میں فتنے دب گئے چنانچہ لکھتے ہیں کہ :-

" یاد رکھنا چاہیئے کہ انہی بے اعتدالیوں نے اُٹھتے ہوئے فتنوں کو دبا دیا۔ بنو ہاشم کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اسی وقت جماعت اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا اور وہی خانہ جنگیاں برپا ہو جاتیں جو آگے چل کر جناب علیؑ اور حضرت معاویہ میں واقع ہوئیں۔

(الفاروق حصہ اوّل ص۱۳۳)

مولوی شبلی نعمانی صاحب نے ان کارروائیوں کو بے اعتدالیاں تو تسلیم کر لیا مگر ان کے زعم میں ایسی کارستانیاں فتنوں کو دبانے کے لئے مفید ثابت ہوئیں۔ مگر مجھے شبلی سے ہرگز اتفاق نہیں ہے۔ کیونکہ معاملہ بالکل اس کے برعکس ہوا ان کارروائیوں نے فتنوں کو جنم دیا اور سازشوں کی آبادی اس کثرت سے بڑھی کہ آج تک منتشر شیرازۂ ملت متحد نہ ہو سکا پورا اسلامی نظام تبدیل ہونا شروع ہو گیا۔ حتیٰ کہ آج یہ حالت ہے کہ اسلام کئی گروہوں میں بٹا پڑا ہے۔ اور آئے دن آپس میں جدال ہوتا رہتا ہے ان کارروائیوں سے پہلا فتنہ یہ پیدا ہوا کہ معزز لوگوں کی عزت و آبرو کی کوئی وقعت نہ رہنے دی گئی۔ سرپرستوں سے احسان فراموشی کرنے کی رسم کا آغاز ہوا حقیقی والیوں کے حقوق کو غصب کرنا نیکی قرار پایا۔ مقدس مقامات کی تحقیر جائز سمجھی گئی مخدرات کی حرمت نہ کرنا نیکی خیال کیا جانے لگا۔ؔ الغرض ہر بد اخلاقی نے جامۂ اخلاق زیب تن کرنا شروع کیا بھائی بھائی سے دست و گریباں ہوا۔ کبھی زکوٰۃ پر جھگڑے ہوتے اور

ؔ اور جہاد پر جہاد کا تقدس بھر فرار نالہ ؟

کبھی قحط سالی مقدر بنی۔ کبھی غنیمت باعث نزاع بن گئی اور کبھی مسلمان عورتوں سے دست اندازی کرنے کا قانونی جواز چاہا گیا۔ الغرض جو کچھ بھی ہوا یا اب ہو رہا ہے میں کہتا ہوں اس ساری بربادی و زوال کی وجہ محض وہ بے اعتدالیاں ہیں جو متعقدان حکومت سقیفہ نے اپنے پیچھے چھوڑیں۔ اگر مولوی صاحب کی مراد سیاست ہو تو بھی سیاسی بربادیوں کا منبع بھی یہی باتیں ہیں۔ اوّل دور میں فتنہ زکوٰۃ کا کھڑا ہوا اور ارتداد کا ڈھونگ رچا مسلمانوں نے مسلمانوں کو بے دریغ ذبح کیا۔ ایک جرنیل نے مسلمان خاتون (صحابیہ) زوجہ صحابی سے زنا کر کے مسلمانی کا مذاق اڑایا۔ لوٹ مار ہوس ملک گیری۔ فوج کشی کو فروغ ہوا دنیا نے اسلام کی اشاعت کو تلوار کا زور کہا۔ مسلمانوں نے اپنے ہی امام کو مدینۃ الرسول میں سوا مہینہ کے محاصرہ کے بعد موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس کی لاش مسلمان قبرستان میں بھی دفن نہ ہونے دی ایک امام کی بیعت کی مگر مطلب بر نہ آنے پر توڑ کر بغاوت کی ٹھان لی رسولؐ کے گھر والوں کی توقیر جاتی رہی حتیٰ کہ بیابان میں سارے کنبے کو بھوکے پیاسے ذبح کر دیا گیا۔ عورتوں کو قیدی بنا نا شان فاتحانہ سمجھا گیا۔ الغرض سوائے زمین مفتوحہ کے ہمیں حکومت سقیفہ میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ انہوں نے فتنے دبائے یا سازشیں کچلیں اور اگر فتنہ یا سازش صرف اسی کو کہتے ہیں کہ حکومت کے خلاف زبان کھول دی جاتے تو پھر یہ دوسری بات ہے کیونکہ ہم تو اس کو جہاد کہیں گے کہ حضورؐ کی تعلیم یہ ہے کہ جابر حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنا بڑا جہاد ہے اور مجاہد کا فریق مخالف مفسد یعنی غیر مومن ہی ہو سکتا ہے۔

خیر ہمارا مدعا تو محض یہ اقرار کروانا ہی تھا کہ واقعہ قصداً حراق خانۂ فاطمۃ الزہرا

سلام اللہ علیہا بے اعتدالی اور نامناسب کارروائی تھی سو اس میں ہمیں کامیابی ہوئی اب رہی یہ بات کہ اس سے حکومت کو فائدہ پہنچا یا عوام کو تو ہم برملا اعتراف کرتے ہیں کہ حکومت کو اس کارروائی میں وقتی کامیابی ضرور حاصل ہوئی مگر عوام کے مقدر میں جو بدنصیبی آئی اس کا رونا آج تک رویا جا رہا ہے۔ اور مسلمان اپنا مرکز کھو چکا ہے۔

رہ گئی بنی ہاشم کی سازشوں والی بات تو اس کا رد بنی عباسیہ کی حکومت کے قیام ہی سے ہو جاتا ہے سقیفہ کی حکومت کو چند ہی سال نصیب ہوئے اس کے بعد پوری ملت اسلامیہ کو ملوکیت کے شکنجے نے ایسا جکڑا کہ آج تک نجات حاصل نہ ہو سکی۔

بہر حال فاطمہ کا گھر جلانے کا ارادہ تو حضرت عمر نے قسم کھا کر کیا لیکن اس قسم کو عملاً یزید ملعون نے پورا کر دیا۔ یزید بھی محمود عباسی کے مطابق حضرت عمر کا خاص پیروکار تھا۔ لہذا پیر کی قسم مرید نے پوری کر دی اور جو آگ خلیفہ ثانی نے بتول کے دروازے پر روشن کی اہل سنت کے چھٹے راشد خلیفہ ابو خالد یزید بن معاویہ لعین نے اندرون خانہ پہنچانے کا پورا پورا بندوبست کر دیا اور حضرت ثانی کی روح کو تسکین اور دل کو قرار پہنچایا۔

وہ وقت بھی آ ہی گیا جب اس گھر کو آگ لگا دی گئی جو دنیا کو جہنم کی آگ سے نجات دلانے کے لیے وجود میں آیا تھا جس شفیع المذنبین نے مخلوق کو دوزخ کی آگ سے بچانا ہے اس کی امت نے اسی کے گھر کو آگ لگا دی۔

چمن فاطمہ کا ایک ایک پھول اور ایک ایک کلی خزاں کی زد میں آئی ہوئی ہے پتیاں بکھر چکی ہیں۔ یزیدی فوج جشن فتح منانے میں مصروف ہے

سورج مارے شرم کے منہ اپنے گریباں میں چھپانے کی کوشش کر رہا ہے آسمان رو رہا ہے۔ زمین کی آنکھیں خون کے آنسو بہا رہی ہیں گرمی کی حدت سرد ہو گئی ہے عروس شام نے سرخ جوڑا اتار کر آتش شفق میں پھینک دیا ہے اور سیاہ لباس زیب تن کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہے اور کہہ رہی ہے آج میں شام غریباں ہوں۔ دھوپ کی حرارت میں افسردگی آ گئی ہے۔ منظر نے روشن دن کا چہرہ زرد کر دیا ہے۔

فاطمہ کی دوسری زہرا بیٹی عالم پریشانی میں مقتل گاہ کی خاک چھان کر بتول کے گھر کی راکھ دیکھنے کا انتظار کر رہی ہے۔ حسین اپنے امتحان میں کامیابی کی سند حاصل کر چکے ہیں اور اب زینب کے امتحان کا نتیجہ سننے کیلئے بے قرار ہیں فرشتوں کو حیرت ہے اور روحیں منہ میں انگلیاں دبائے ایسے محو ہیں کہ سکتہ طاری ہو جائے عالم ارواح میں تذبذب پایا جاتا ہے۔ جماعت مرسلین متعجب کناں ہے کہ وہ صنف نازک جن کے سہاگ اجڑ چکے ہیں۔ تمناؤں کا خون بہہ گیا ہے۔ کڑیل جوان ڈھیری بن چکے ہیں۔ شیر خواروں کے گہوارے خالی ہیں اور ہوا کے جھونکے بھی ساکت ہو گئے ہیں۔ ہری بھری گودیوں کی گرمی دل کو جلا رہی ہے۔ ہر سایہ سر سے اٹھ چکا ہے اور رخ ہوا یہ ہے چادر تک چھین لی گئی ہے۔ کوئی حرمت کا محافظ باقی نظر نہیں آتا ہے اگر آس ہے تو صرف اس کی جس کی مصلحت نے ایک بیمار کی تیمارداری کرنے کی آزمائش بھی داخل امتحان کر رکھی ہے اس کے راز ہیں وہی بہتر جانتا ہے کہ کس دل و گردہ کی وہ مخدرات تھیں کہ کیا مجال جو آزمائش کی گھڑی میں بال برابر بھی ادھر سے ادھر ہوئی ہوں۔

شمر لعین بڑی نخوت و تکبّر سے چند شیطانوں کے ساتھ آرہا ہے آج انہوں نے اپنی ایک ادھوری قسم کو پورا کرنا ہے۔ پرانے عہد کی وفا کرنی ہے۔ بڑے خوش ہیں۔ خاندان بتولؑ نے بھی اس ملعون گروہ کے تیور بھانپ لئے ہیں عالم بے بسی میں بیبیاں ایک خیمے سے دوسرے خیمے میں بھاگتی جا رہی ہیں۔ تمام خیموں کو آگ لگا دی گئی ہے۔ شعلے بلند ہو رہے ہیں اور آگ فریاد کر رہی ہے کہ بارالٰہا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تو نے مٹی کے پتلے کو پیدا کیا ہے یہ شریر ہے اب تو گواہ رہنا کہ میں بے قصور ہوں مجھے جبراً استعمال کیا جا رہا ہے خیمے راکھ ہوئے جا رہے ہیں۔ ادھر لٹیرے مال لوٹنے کی فکر میں ہیں جو کسی کے ہاتھ لگتا ہے اکٹھا کر رہا ہے فاطمہؑ کے گھر میں مال دنیوی کیا ہاتھ آتا وہاں تو نور ہدایت مل سکتا تھا جسے وہ ہاتھ لگانا بھی گناہ سمجھتے تھے۔ مایوسی ہوئی تو بے گناہوں نے کپڑوں کو چھیننا شروع کیا سکینہؑ جیسی معصوم شہزادی کے کانوں کی بالیاں توڑ لی گئیں۔ جس بچے نے واویلا کیا اسے تازیانے سے چپ کرایا۔ جس نے احتجاج کیا اس کو طمانچے رسید کئے ظلم و ستم کے سارے وار، قہر و غضب کے تمام ڈھنگ، جور و جفا کی کل تدبیریں آزمائیں مگر اس جماعت مفلحین کی ثابت قدمی میں لغزش کی بجائے ثبات ہی نظر آیا۔

یہ حوصلہ، ایسی جرأت، بلند ہمتی، استقلال، تنظیم و یقین محکم دیکھ کر بھی ان بے غیرتوں کی غیرت بیدار نہ ہوئی۔ عورتوں اور بچوں پر ظلم و ستم ڈھانے کے بعد ان کی بے شرمی کا غیظ اور تیز ہوا جس طرح کسی شکست خوردہ متکبر کی نخوت بڑھ جاتی ہے لہذا یہ اس مریض کی جانب بڑھے جو عالم غشی میں ہے اور

اور زمامِ امامت حقّہ کا چارج حاصل کرنے میں مصروف ہے۔

بے ہوش فاطمہؑ کے پوتے سیّد الساجدین امام العابدین حضرت علی بن حسین زین العابدین علیہ السلام کو شمر ملعون نے پورے زور سے گھسیٹا کہ بیمار نے آنکھیں کھول دیں۔ سر پر مصائب کی فوج دیکھ کر سمجھ گئے کہ حق و باطل کی جنگ کا ایک مرحلہ ختم ہو گیا ہے اور اب دوسرا جاری ہے۔ شمر نے بکواس کی کہ اس کا سر بھی قلم کر دو۔ یہ سننا تھا کہ علیؑ کے پوتے کے تیور بدلے۔ انگڑائی لے کر اٹھے جب یہ منظر سیّدہ زینب سلام اللہ علیہا نے دیکھا تو شیر فاطمہؑ نے جوش مارا۔ خونِ علیؑ کو جلال آگیا غضب فاطمہؑ میں حرارت ہوئی۔ استقلال حسنؑ متحرک ہوا اور شجاعت حسینیہ نے انگڑائی لی۔ بزبان وحی بیان والے رسولؐ کی نواسی نے فرمایا۔ بے غیرت لوگو حیا کرو۔ اب بیمار کو بھی قتل کرو گے۔ آؤ پہلے ہمیں موت کے گھاٹ اتار دو۔ ہم اپنی زندگیوں میں اسے قتل نہیں ہونے دیں گے۔ کلام زینبؑ کے رعب سے ان پر خوف چھایا۔ ایسا معلوم ہوا کہ زینب علیہا نہیں بلکہ امیر المومنین علی علیہ السلام میدان کربلا میں آگئے ہیں چنانچہ وہ اپنے اس عزم بد سے باز رہے اور اہل بیت کو خیموں کی راکھ پر روتے پیٹتے چھوڑ کر دفع ہو گئے۔

الغرض جس گھر کو جلانے کا قصد ۱۱ھ میں کیا گیا وہ ۶۱ھ میں جلا دیا گیا اور جس طرح واقعہ قصد کو جائز قرار دینے کی کوشش کی گئی ہے اسی طرح واقعہ کربلا کو بھی حکومت کا جائز اقدام ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جا رہا ہے۔ اور لوگوں نے علانیہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ حسینؑ علیہ السلام نے یزید پر خروج کیا تھا لہذا ان کے عدم تعاون و قلت تدبیر کے باعث یہ سانحہ عظیم رونما ہوا۔ بہر حال یہ

تنازعے اب اتنے بڑھ چکے ہیں کہ ان کا فیصلہ روزِ قیامت ہی ہوگا۔ قیامت روزِ حساب ہے۔ اس دن ہر جھگڑے کا فیصلہ ہو جائے گا اور یقیناً فاطمہؑ کے گھر کو جلانے والے مجرموں کو قرار واقعی سزا ملے گی۔ اب ہم اس ساری بحث کو ختم کرتے ہیں اور خاتونِ قیامت کے کچھ مناقب نقل کرکے التماسِ دعا کرتے ہیں۔

خاتونِ قیامت

سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا وہ خاتون ہیں جن کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا میری یہ بیٹی خاتونِ قیامت ہے۔

کون خاتونِ قیامت! وہ جن کا لقب زہرا ہے۔ زہرا کلی یا ضیا کو کہتے ہیں۔ رسولِ کریمؐ نے فرمایا ہے "میری بیٹی سے جنت کی خوشبو آتی ہے" (نور الابصار ص ۴۵) سید المرسلینؐ اسی لئے اپنی اس کلی خلد کو سونگھا کرتے تھے۔

روایت ہے کہ روزِ محشر جب فاطمہؑ کی سواری میدانِ محشر سے گزرے گی منادی کردی جائے گی کہ اے اہلِ محشر اپنی نگاہیں نیچی کرلو کہ محمدؐ کی صاحبزادی فاطمہؑ کی سواری گزرنے والی ہے۔ (اسد الغابہ ج ۲ ص ۵۲۳، خصائص کبریٰ ج ۲، ص ۴۵ وغیرہ)

فاطمہؑ خاتونِ قیامت کی سواری ہزار حوروں کے جھرمٹ میں پل صراط سے ایسے گزر جائے گی جیسے بجلی کوند جاتی ہے (خصائص کبریٰ جلد ۲ ص ۲۲۵)

حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ میری بیٹی خاتونِ قیامت سب سے

پہلے جنت میں تشریف لے جائے گی (خصائص کبریٰ جلد ۲ ص ۲۲۵)

المستدرک میں امام حاکم نے روایت کی ہے کہ فاطمہؑ کی اولاد پر خدا نے آگ حرام فرمادی ہے (المستدرک ج ۳ ص ۱۵۲) مگر امت نے فاطمہؑ اور ان کی اولاد پر آگ حلال سمجھی ہے۔ کیا یہ خدا کا مقابلہ نہیں ہے؟)

نیز یہ بھی روایت ہے کہ فاطمہؑ اور ان کے شوہر نامدار کے مسکرانے سے جنت ایسے منور ہو جائے گی جیسے سورج چڑھ آتا ہے۔

آپ ہیں وہ خاتونِ قیامت کہ آپ کے حب داروں کو جنت کے ٹکٹ دیئے جائیں گے کیونکہ روایت ہے کہ آپ کی شادی مبارک کے موقعہ پر سعادت پر رضوان فرشتہ نے طوبیٰ کے درخت کو ہلایا تو محبانِ اہلِ بیت کی تعداد کے برابر پتے گرے اور وہی پتے روزِ قیامت جنت کے پروانے بن جائیں گے۔

سیدہ طاہرہؑ ہیں خاتونِ قیامت کہ جنت میں اپنے شوہر اور اولاد کے ساتھ اسی مقامِ محمود پر رہائش پذیر ہوں گی جہاں ان کے والد محترم (محمدؐ) ہوں گے (صواعق محرقہ ص ۱۵۱، مسند احمد حنبل جلد ۳ ص ۲۶، اشعۃ اللمعات جلد ۴ ص ۶۸۴)

وہی ہیں خاتونِ قیامت جن کا نام نامی رسولِ مقبولؐ نے فاطمہؑ رکھا اور فاطمہ اس کو کہتے ہیں جو نجات دلانے والی ہو جو جہنم سے اپنے غلاموں کو نجات دلانے والی ہیں (نور الابصار ص ۴۵ صواعق محرقہ ص ۱۸۸)۔

خاتونِ قیامت ہی کی شانِ عصمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور احترامِ پردہ کو مدِنظر رکھتے ہوئے فرشتوں نے بھی بلا اجازت گھر میں آنا گوارہ نہ کیا حامل وحی جبرائیل علیہ السلام جیسے امین ملک نے بھی جب چادرِ تطہیر میں سیدہؑ کی موجودگی کی خبر پائی

تو داخلہ سے قبل اذن حاصل کیا حالانکہ وحی کے سلسلے میں جبرائیل کو ایسی اجازت طلبی کی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی۔

حد تو یہ ہے کہ ملک الموت جیسی ہستی جسے کسی کے پردہ کی پرواہ نہیں ہے اس نے بھی پردۂ خاتون جنت کا احترام کیا اور سیدہؑ کی روح قبض کرنے پر ہچکچاہٹ محسوس کی۔ چنانچہ روایت ہے کہ خود پروردگار عالم نے اپنے دستِ قدرت سے سیدہ بتولؑ کی روح منورہ کو قبض فرمایا (روح البیان جلد ۵ ص ۲۲۷)

لیکن صد حیف ہے امت کے ان افراد پہ جنہوں نے سیدہ کے گھر پہ چڑھائی کر دی اور پھونک دیا۔

علامہ اقبالؒ کی اقبال مندی

حکیم الامت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم کی ذاتِ گرامی قدر محتاج تعارف نہیں ہے آپ نظریہ پاکستان کے خالق اور ملت اسلامیہ کے فرزند عظیم ہیں لہٰذا ہم اپنی اس کتاب کا اختتام ان گلہائے عقیدت پر کرتے ہیں جو علامہ اقبال نے بارگاہِ خاتونِ قیامت میں نذر فرمائے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ :۔

مریم از یک نسبتِ عیسیٰ عزیز
از سہ نسبت حضرت زہراؑ عزیز
نورِ چشم رحمۃ للعالمین

آں امام اولین و آخرین
بانوے آں تاجدار ھل اتیٰ
مرتضیٰؑ مشکل کشا، شیر خداؑ
مادر آں مرکز پرکار عشق
مادر آں قافلہ سالار عشق

یعنی حضرت مریمؑ صرف ایک نسبت سے صاحبہ عزت ہیں کہ آپ حضرت عیسیٰؑ کی والدہ محترمہ ہیں جبکہ سیدہ طاہرہؑ کو ایسی نسبت تین طریقوں سے حاصل ہے کہ رحمۃ اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آنکھوں کا نور ہیں جو تمام پہلے و آخری آئمہ کے امام ہیں اور آپ ان شہنشاہ کی زوجہ محترمہ ہیں جن کے سر پر خداوند تعالیٰ نے ھل اتیٰ (سورہ دہر) کا تاج رکھا ہے جو مرتضیٰ ہیں مشکل کشائے زمانہ ہیں اور اللہ کے شیر ہیں۔ آپ کی تیسری نسبت معززیہ ہے کہ آپ حسین جیسے عظیم فرزند کی والدہ گرامی قدر ہیں کہ وہ حسین جو عشق کی پرکار کا مرکز ہیں اور عاشقان خدا کے قافلے کا سالار و سردار ہے۔

علامہ اقبال پھر فرماتے ہیں کہ :۔

بہر محتاجے دلش آں گونہ سوخت
با یہودی چادر خود را فروخت
نوری و ہم آتشی فرمانبرش
گم رضائش در رضائے شوہرش
آں ادب پروردۂ صبر و رضا

آسیا گرداں و لب قرآں سرا
گریہ ہائے او ز بالیں بے نیاز
گوہر افشاندے بہ دامانِ نماز
اشکِ او برچید جبریل از زمیں
ہمچو شبنم ریخت بر عرشِ بریں

یعنی سیدہ طاہرہؑ نے ایک یہودی کے آگے اپنی چادر مبارک فروخت کر کے ایک محتاج کی حاجت روی فرمائی۔ نوری و ناری مخلوق آپ کے فرمان کی منتظر تھیں کہ اطاعت کریں مگر آپ نے اپنی رضا کو اپنے شوہر نامدار کی رضا میں گم کر دیا تھا۔ آپ صبر و رضا کی پیکر وہ بلکہ مجسمہ صبر و رضا تھیں کہ ہاتھ چکی چلاتے تھے اور ہونٹ تلاوتِ قرآن میں مصروف ہوتے تھے۔ آپ مصلے پر نماز ادا کرتیں تو آنکھوں سے آنسوؤں کے موتیوں کی بارش برس جاتی اور ان متبرک اشکوں کو حضرت جبرائیل علیہ السلام زمین پر سے اس طرح چن لیتے اور عرشِ معلیٰ پر ان کو ایسے بکھیر دیتے کہ جیسے شبنم بکھرتی ہے۔

اس کے بعد شاعرِ مشرق، مردِ قلندر، حکیم الامت اپنی عقیدت کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔

رشتۂ آئینِ حق زنجیرِ پا است
پاسِ فرمانِ مصطفیٰ است
ورنہ گردے تربتش گردیدمے
سجدہ ہا بر خاکِ او پاشیدمے

یعنی میرے پاؤں میں شریعت اسلامیہ کی زنجیر ہے اور حضرت رسولِ کریمؐ کے ارشاد و حکم کا پاس ہے ورنہ میں (اے سیدہ طاہرہؑ) تیرے مزارِ اقدس کا طواف کرتا رہتا اور اس کی مٹی پر سجدہ ریز رہتا۔

الغرض وہ خاتونِ قیامت کہ جس کی تعریف و توصیف کا حق ادا کرنا انسانی استطاعت کے بس کی بات نہیں ہے۔ جب اپنی مصیبتوں اور اذیتوں کا مقدمہ بارگاہِ الٰہیہ میں پیش فرمائیں گی تو یقیناً مجرموں کو ان کے کیے کا بدلہ ضرور ملے گا۔ میں پناہ مانگتا ہوں ایسی حرکت سے جو خاتونِ قیامت کی غضبناکی کا سبب بنے اور رب العزت سے دعا گو ہوں کہ اے پروردگار ہمارے دلوں میں خاتونِ جنتؑ کی خالص محبت و عقیدت کو پروان چڑھا اور ہر اس بات سے محفوظ رکھ جو سیدۃ النساء العالمینؑ کی ناراضگی کا باعث ہو۔ آمین۔

رنگِ بہارِ باغِ رسالت ہیں فاطمہؑ — سرچشمۂ ریاضِ ولایت ہیں فاطمہؑ
امید گاہِ حشر و قیامت ہیں فاطمہؑ — دنیا میں وجہ آیتِ رحمت ہیں فاطمہؑ
روحِ رواں پنجتن و جانِ مصطفیٰ — آلِ عبا کی دوسری آیت ہیں فاطمہؑ
معصومیت پہ جن کی ہے حور و ملک کو ناز
نقد و متاعِ عہدِ نبوت ہیں فاطمہؑ

گدائے درِ بتولؑ
عبدالکریم مشتاق

عبد الکریم مشتاق کی ایمان افروز تحقیقی کتب

چودہ مسئلے	اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا!
صدیق اکبر و فاروق اعظم	اہل بیت اور ازواج میں فرق
اصول دین (میں شیعہ کیوں ہوا ؟)	انگور کھٹے ہیں!
تصدیق لفظ شیعہ	ہم ماتم کیوں کرتے ہیں؟
ہم متعہ کیوں کرتے ہیں ؟	ہزار تمہاری دس ہماری
وصی رسولؐ اللہ	شیعہ مذہب حق ہے
علیؑ ولی اللہ	عنوان
سوسنار کی ایک لوہار کی	فقہ جعفری اور مختلف مکاتب فقہ
فروع دین (میں نے سنی مذہب کیوں چھوڑا؟	چار یار
وہی مجرم وہی منصف	ایٹم بم کا دوسرا نام انجمن سپاہ صحابہ
آگ خانہ بتولؑ پر!	چادر انسانیت
یار رسولؐ اور غار ثور	بِل اور بلاّ
افسانہ عقد ام کلثوم	چراغ تلے اندھیرا
واقعہ قرطاس اور کردار عمر	آپ کا کیا حال ہے؟

ناشر

رحمت اللہ بک ایجنسی۔ ناشران و تاجران کتب

بمبئی بازار نزد خوجہ شیعہ اثنا عشری مسجد کھارادر کراچی ۲